بھی ہمارے گواہ ہیں اور ہر ظاہر و باطن اور ملائکہ اور بندگانِ خدا سب اس بات کے گواہ ہیں اور اللہ ہر گواہ سے بڑا گواہ ہے۔

ایھا الناس! اب تم کیا کہتے ہو؟ یاد رکھو کہ اللہ ہر آواز کو جانتا ہے اور ہر نفس کی مخفی حالت سے باخبر ہے، جو ہدایت حاصل کرے گا وہ اپنے لیے اور جو گمراہ ہوگا وہ اپنا نقصان کرے گا۔ جو بیعت کرے گا اس نے گویا اللہ کی بیعت کی، اس کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

ایھا الناس! اللہ سے ڈرو، علیؑ کے امیر المومنین ہونے اور حسنؑ و حسینؑ اور ائمہ کے کلمہ باقیہ ہونے کی بیعت کرو۔ جو غداری کرے گا اسے اللہ ہلاک کر دے گا اور جو وفا کرے گا اس پر رحمت نازل کرے گا، اور جو عہد کو توڑ دے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ ایھا الناس! جو میں نے کہا ہے وہ کہو اور علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرو، اور یہ کہو کہ پروردگار ہم نے سُنا اور اطاعت کی۔ ہمیں تیری مغفرت چاہیے اور تیری ہی طرف ہماری بازگشت ہے اور یہ کہو کہ شکر پروردگار ہے کہ اس نے ہمیں اس امر کی ہدایت دی ہے ورنہ اس کی ہدایت کے بغیر ہم راہ ہدایت نہیں پا سکتے تھے۔

ایھا الناس! علیؑ ابن ابی طالبؑ کے فضائل اللہ کی بارگاہ سے ہیں اور اس نے قرآن میں بیان کیا ہے اور اس سے زیادہ ہیں کہ میں ایک منزل پر شمار کرا سکوں۔ لہٰذا جو بھی تمہیں خبر دے اور ان فضائل سے آگاہ کرے اس کی تصدیق کرو۔ یاد رکھو جو اللہ، رسولؐ، علیؑ اور ائمہ مذکورین کی اطاعت کرے گا وہ بڑی کامیابی کا مالک ہوگا۔

ایھا الناس! جو علیؑ کی بیعت، ان کی محبت اور انھیں امیر المومنین کہہ کر سلام کرنے میں سبقت کریں گے وہی جنت نعیم میں کامیاب ہوں گے۔ ایھا الناس! وہ بات کہو جس سے تمہارا خدا راضی ہو جائے ورنہ تم اور تمام اہل زمین بھی منکر ہو جائیں تو اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ پروردگار مومنین و مومنات کی مغفرت فرما اور کافرین پر اپنا غضب نازل فرما۔

والحمد للہ رب العالمین

نقشِ

حیاتِ جنابِ فاطمہ زہراؑ

ولادت۔ ۲۰ جمادی الثانیہ ۵ بعثت

شہادت۔ ۳ جمادی الثانیہ ۱۱ھ

نقشِ زندگانی حضرت فاطمہ زہراؑ

● اسم گرامی فاطمہؑ تھا جس کا انتخاب قدرت نے اس لیے کیا تھا کہ اپنے اتباع کرنے والوں کو آتش جہنم سے نجات دلانے والی ہیں۔

● القاب: زہرا، راضیہ، مرضیہ، صدیقہ، بضعۃ الرسولؐ اور ام ابیہا وغیرہ۔ (آخری لقب کا راز یہ ہے کہ آپ نے پدر بزرگوار کو شفقت مادری بھی فراہم کی ہے اور آپ سے نسل کی بقا بھی رہی ہے۔

ولادت باسعادت ۵ بعثت میں ہوئی ہے یعنی بعثت رسولؐ کے پانچ برس بعد۔ اگرچہ بعض علماء نے بعثت سے پانچ برس پہلے لکھا ہے اور ان کا خیال یہ ہے کہ جناب خدیجہ کے عقد اور معصومہؑ کی ولادت میں بیس سال کا فاصلہ نہیں ہو سکتا ہے اس لیے کہ بطن جناب خدیجہ سے قاسم بعثت سے پہلے پیدا ہوئے اور دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ عبداللہ بھی بعثت سے پہلے پیدا ہوئے اور کمسنی میں وفات پا گئے۔ حالانکہ یہ بات عجیب و غریب ہے کہ دو فرزندوں کے بعد بیس سال کا فاصلہ نہیں رہ جاتا ہے بلکہ ۹ یا ۱۰ سال ہی کا رہ جاتا ہے۔

● جناب خدیجہ نے اپنے تمام پیغامات رد کر کے مرسل اعظمؐ سے عقد کیا تھا۔ اس وقت ولادت تمام عورتوں نے بائیکاٹ کر دیا اور کوئی امداد کے لیے نہ آیا تو قدرت نے جناب آسیہ، جناب مریم، جناب کلثوم خواہر حضرت موسیٰؑ جیسی مقدس خواتین کو خدمت کے لیے بھیج دیا جو راہِ خدا میں ایثار کرنے والوں کا انعام بھی ہے اور خدائے کریم کی غیبی امداد کا بہترین مرقع بھی ہے۔

● آپ سرکار دو عالمؐ کی اکلوتی بیٹی تھیں اور زینب و ام کلثوم اور رقیہ سرکار کی ربیبہ

تھیں جن کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ یہ جناب خدیجہ کی بیٹیاں تھیں، یا جناب خدیجہ باکرہ تھیں اور ان کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں جیسا کہ بعض علماء نے ثابت کیا ہے اور اس کے بہت سے دلائل بھی بیان کیے ہیں۔ یہ بات بہرحال طے شدہ ہے کہ رسول اکرمؐ کی بیٹیاں نہیں تھیں، اور اس کی واضح ترین دلیل یہ ہے کہ رسول اکرمؐ کا عقد ۲۵ سال کی عمر میں بعثت سے ۱۵ سال پہلے ہوا ہے اور ۵ سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور ان تینوں بیٹیوں کا عقد بعثت سے پہلے ہی عتبہ و عتیبہ فرزندان ابولہب اور ابوالعاص بن ربیع سے ہو چکا تھا، اور اب یہ بات تقریباً ناممکن، اور بعید از قیاس ہے کہ ۱۰ سال کے اندر تینوں بیٹیاں پیدا بھی ہوں اور ان کا عقد بھی ہو جائے جب کہ درمیان میں قاسم اور عبداللہ کی ولادت کا وقفہ بھی رکھنا پڑے گا۔

پھر اگر کسی صورت سے انھیں دختران پیغمبرؐ فرض بھی کر لیا جائے تو یہ وہ دختران ہیں جن کا عقد کفار سے ہو چکا ہے اور کفار سے عقد ہو جانے کے بعد مسلمان سے عقد نہ اسے مستحق منصب بنا سکتا ہے اور نہ ذوالنورین۔ ذوالنورین ہونے کے لیے لڑکی کا نور ہونا ضروری ہے، اور یہ شرف صدیقہ طاہرہؑ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے۔

● پانچ برس کی عمر میں ۱۰ بعثت میں ۱۰ رمضان المبارک کو جناب خدیجہ کا انتقال ہو گیا جو جناب فاطمہؑ کی زندگی کا پہلا عظیم صدمہ تھا اور جس کے بعد رسول اکرمؐ کے لیے فراق خدیجہؓ کا صدمہ اور شدید ہو گیا اور آپ برابر انھیں یاد کرنے لگے اور ان کی طرف سے صدقہ و خیرات نکالنے لگے یہاں تک کہ عائشہ نے ٹوک دیا کہ جوان ازواج کے ہوتے ہوئے بوڑھی زوجہ کے یاد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور آپ نے واضح کر دیا کہ یہ زوجہ کی یاد نہیں ہے۔ یہ خدیجہ کی یاد ہے جو اس وقت ایمان لائیں جب سب کافر تھے، اس وقت میری مالی امداد کی جب اسلام کو مال کی شدید ضرورت تھی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے خدیجہ کے ذریعہ اس وقت صاحب اولاد بنایا جب سب ابتر کے طعنے دے رہے تھے۔

● وفات جناب خدیجہؓ کے بعد جناب فاطمہؑ کا دوسرا امتحان اس وقت ہوا جب قدرت نے رسول اکرمؐ کو حکم ہجرت دے دیا اور آپ حضرت علیؑ کو بستر پر لٹا کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے جب کہ گھر دشمنوں اور قاتلوں کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا اور جناب فاطمہؑ گھر کے اندر موجود تھیں۔ لیکن تمام

رات کسی طرح کے خوف و ہراس کا اظہار نہیں کیا اور نہایت درجہ اطمینان کے ساتھ رات گذار دی بلکہ مدینہ روانگی کے موقع پر بھی ظالموں نے مزاحمت کی اور آپ نے اپنے سکون قلب اور توکل علی اللہ کا مظاہرہ کیا۔

● ہجرت کے بعد اسلام کا پہلا عظیم معرکہ جنگ بدر کی شکل میں پیش آیا جہاں مسلمان انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں تھے اور رسول اکرمؐ کو حکم جہاد مل چکا تھا۔ فطری بات ہے کہ باپ کے ان حالات میں بیٹی کو جہاد سے روکنا چاہیے تھا اور اس شکل میں اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہیے تھا لیکن جناب فاطمہؑ نے دین خدا کے معاملہ میں کسی طرح کی جذباتیت کا مظاہرہ نہیں کیا اور ہمیشہ ایثار و قربانی سے کام لیتی رہیں۔

● جنگ بدر کے خاتمہ کے بعد آپ کا عقد مولائے کائنات سے ہوا، جب کہ آپ کے فضائل و کمالات کا شہرہ سن کر تمام بڑے بڑے افراد نے آپ کے عقد کا پیغام دیا تھا اور وحی خدا نے سب کے پیغامات کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ نور کا رشتہ صرف نور سے ہو سکتا ہے۔ یکم ذی الحجہ سنہ ۲ھ کو یہ عقد عمل میں آیا۔

● امیر المومنینؑ کے پیغام پر رسول اکرمؐ نے مہر کا مطالبہ کیا۔ آپ کے پاس مال دنیا میں ایک تلوار، ایک رہوار اور ایک زرہ تھی۔ آپ نے زرہ کے فروخت کر دینے کا حکم دیا۔ ۵۰۰ درہم میں زرہ فروخت ہوئی اور وہی رقم جناب سیدہؑ کا مہر قرار پائی، جس سے روز اول یہ واضح ہو گیا کہ مہر کی ادائیگی اس قدر اہم مسئلہ ہے کہ اسے عقد سے پہلے ہی ہو جانا چاہیے چاہے اس کی راہ میں بہترین سامان زندگی فروخت کرنا پڑے۔ اور اس طرح اس عصری نظریہ کی واضح تردید ہو گئی کہ مہر صرف برائے تذکرہ ہوتا ہے اور اس کا ادائیگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، یا سامانِ زندگی فروخت کرنا ہے تو شادی کے انتظامات کے لیے کیا جائے مہر کی ادائیگی کے لیے نہیں۔

● مہر کی رقم لے کر رسول اکرمؐ نے جہیز کا انتظام کیا جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جہیز لعنت نہیں ہے سنت ہے البتہ اس کا انتظام مہر کی رقم سے ہونا چاہیے اور ضروریات زندگی کی حد تک محدود رہنا چاہیے۔ مہر سے زیادہ جہیز کا مطالبہ کرنا، یا مہر ادا کیے بغیر جہیز کا تقاضا

کرنا یقیناً ایک بدعت ہے جسے ظالمانہ حرکت اور نفسانیت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

جناب سیدہؑ کے جہیز کی کُل تفصیل یہ ہے:

(۱) ایک سفید پیراہن (۲) ایک چادر (۳) ایک حُلّہ سیاہ (۴) ایک تخت خواب (۵) دو عدد توشک (۶) چار تکیے (۷) ایک چٹائی (۸) ایک چکی (۹) ایک کاسہ مسی (۱۰) ایک مشک (۱۱) ایک ظرف لباس شوئی (۱۲) ایک کاسۂ شیر (۱۳) ایک ظرف آبخوری (۱۴) ایک پردہ (۱۵) ایک لوٹا (۱۶) ایک پوست برائے فرش (۱۷) ایک سبوئے گلی (۱۸) دو مٹی کے پیالے (۱۹) ایک عبا۔

اس سامان کی مجموعی قیمت ۶۳ درہم تھی جب کہ مہر کی رقم ۵۰۰ یا ۴۸۰ درہم تھی۔ اس تفصیل سے جہیز کی نوعیت کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے اور مہر کے مقابل میں اس کی مالیت کا بھی۔ کاش ہمارے بزرگوں نے مہمل رسموں اور نام و نمود کے ڈھکوسلوں سے قطع نظر کر کے سیرت معصومینؑ کو رواج دیا ہوتا تو آج قوم و ملت اس قدر مصائب سے دوچار نہ ہوتی اور مسلمانوں میں مہنگی شادی سستی بدکاری کا پیش خیمہ نہ بنتی۔

● عقد کے چند دنوں کے بعد رخصتی کا انتظام ہوا، بنی ہاشم کی خواتین، مخصوص اصحاب کرام نے اس جلوس میں حصہ لیا اور نہایت احترام کے ساتھ دختر پیغمبرؑ کو مولائے کائنات کے گھر پہونچا دیا گیا اور اس طرح ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا۔

● اس موقع پر انتظامات میں جناب اسماء کا ذکر کیا جاتا ہے جب کہ وہ اس وقت جناب جعفر طیار کی زوجہ تھیں اور سنہ ۵ بعثت میں ان کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھیں اور جعفر طیار کی مکمل واپسی سنہ ۷ھ میں جنگ خیبر کے بعد ہوئی ہے۔ اس لیے بعض علماء نے اسماء بنت عمیس کے بجائے دوسری خاتون کا احتمال دیا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ مہاجرین کی مدینہ آمد و رفت جاری تھی اور اسی ذیل میں جناب اسماء بھی آگئی ہوں گی جس طرح کہ علامہ مجلسیؒ نے اس موقع پر خود جناب جعفر طیار کی شرکت کا بھی ذکر کیا ہے حالانکہ ان کی باقاعدہ واپسی سنہ ۷ھ میں ہوئی ہے۔

● دوسرے دن رسول اکرمؐ بیٹی کے گھر تشریف لے آئے اور داماد سے یہ سوال کیا کہ تم نے اپنی زوجہ کو کیسا پایا ہے؟ تو حضرت علیؑ نے عرض کی کہ عبادت خدا میں بہترین مددگار۔ جس سے

داماد اور خسر کی گفتگو کا انداز، رشتہ کی پاکیزگی کا فلسفہ اور زوجہ کی عظمت وجلالت کا راز کھل کر سامنے آگیا کہ اسلام میں مال وجمال کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اصل ایمان وکردار ہے اور اس میں حضرت علیؑ کے علاوہ کائنات میں کوئی مرد صدیقہ طاہرہؑ کا مثل ونظیر نہیں ہے۔

● سنہ ۳ھ میں جنگ احد پیش آئی جو جناب فاطمہؑ کی زندگی کا دوسرا امتحان تھا جہاں صورت حال ایسی خراب ہوگئی کہ امیرالمومنینؑ نے بھی حفاظت رسولؐ میں سولہ گہرے زخم کھائے اور رسول اکرمؐ کا چہرۂ مبارک بھی زخمی ہوگیا۔ لیکن جناب سیدہ نے کسی خوف وہراس کا مظاہرہ کرنے کے بجائے باپ کی مرہم پٹی بھی کی، شوہر کا علاج بھی کیا اور ذوالفقار حیدری کی صفائی کا فرض بھی انجام دیا جب کہ احد کے حالات نے بڑے بڑے بہادروں کے اوسان خطا کر دیے تھے اور بہادران وقت نے فرار کا راستہ اختیار کرنے کو غنیمت سمجھا تھا۔

● جنگ احزاب ۵ھ اور خیبر ۷ھ کے معرکے بھی جناب سیدہ کے سامنے پیش آتے رہے اور ہر معرکہ میں حضرت علیؑ جان کی بازی لگاتے رہے لیکن کبھی جناب سیدہ نے باپ سے یہ نہیں کہا کہ یہ کام آگئے تو آپ کی بیٹی کا کیا ہوگا؟ مناسب یہی ہے کہ دوسرے اصحاب کو قربان گاہ کے حوالے کر دیجیے بلکہ برابر اس بات پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا اور اسے اپنے فضائل وکمالات میں شمار کیا کہ رب العالمین نے مجھے ایسا شوہر عطا کیا ہے جو راہِ خدا کا مجاہد اور اسلام کی خاطر جان قربان کر دینے والا ہے۔ ماں ویسی کہ دین کے لیے سارا مال قربان کر دے۔ باپ ایسا کہ مذہب کے لیے ہر مصیبت برداشت کرلے اور شوہر ایسا کہ اسلام کی بقا اور رسول اکرمؐ کے تحفظ کے لیے ہر معرکہ میں جان کی بازی لگا دے۔ ایں سعادت بزور بازو نیست

● سنہ ۸ھ میں رسول اکرمؐ نے آپ کو فضہ جیسی کنیز عطا فرمائی تو اس کے ساتھ بھی آپ کا برتاؤ یہ رہا کہ گھر کا کام ایک دن فضہ کرے اور آپ آرام کریں، اور ایک دن آپ کریں اور فضہ آرام کرے تاکہ اسلامی مساوات بھی برقرار رہے اور کنیزوں کو کنیزی اور ذلت کا احساس بھی نہ ہونے پائے۔

● سنہ ۹ھ مباہلہ میں نصاریٰ نجران کی بے جا ضد پر جب مباہلہ کی نوبت آگئی اور یہ طے ہوگیا کہ فریقین اپنے اپنے گھر والوں کو لے کر میدان میں آکر مباہلہ کریں گے اور لعنت خدا کے

ذریعہ عیسیٰ بن مریم کے بندۂ خدا یا فرزند خدا ہونے کا فیصلہ ہوگا، تو رسول اکرمؐ اپنے گھر والوں میں حضرت علیؑ، حضرت حسن وحسینؑ کے علاوہ جناب فاطمہؑ کو بھی میدان مباہلہ میں لے آئے اور اس اہتمام کے ساتھ لے آئے کہ آگے خود رہے اور پیچھے حضرت علیؑ کو رکھا اور درمیان میں جناب فاطمہؑ کو رکھا تاکہ جناب فاطمہؑ کا مکمل پردہ اور ان کی مرکزی شخصیت بھی برقرار رہے اور اسلام کا انصاف وعدالت بھی مکمل ہو جائے کہ اسلام میں یہ وہ بلند پایہ صادق افراد ہیں جن کو جھوٹوں پر لعنت کرنے کا حق ہے اور جن کی لعنت پر عذاب الٰہی نازل ہو سکتا ہے جیسا کہ عالم نصاریٰ نے خود اقرار کیا کہ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ یہ اگر خدا سے بددعا کر دیں تو روئے زمین پر کوئی ایک بھی عیسائی نہ رہ جائے گا۔

● سنہ ۱۰ھ میں رسول اکرمؐ نے ہجرت کے بعد زندگی کا پہلا اور آخری حج انجام دیا جس میں تمام اہل خانہ کو بھی شرکت کی دعوت دی اور حج کی واپسی پر مقام غدیر میں حضرت علیؑ کی مولائیت کا اعلان کیا جو جناب فاطمہؑ کے لیے مستقبل میں امت کو ہوشیار کرنے کا بہترین سامان تھا اور جس سے آپ نے مختلف مقامات پر استدلال بھی فرمایا ہے۔

● سنہ ۱۱ھ میں ماہ صفر کی ۲۸ تاریخ کو رسول اکرمؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی اور اس وقت آپ کا قیام صدیقہ طاہرہؑ کے گھر میں تھا اور سر آپ کی آغوش میں تھا، ملک الموت نے آواز دی، صدیقہ طاہرہؑ نے رسول اکرمؐ کو اطلاع دی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اجازت دے دو۔ یہ ملک الموت کسی کے دروازے پر اجازت نہیں لیتا ہے۔ یہ صرف تمہارے در کا شرف ہے کہ بغیر اجازت اندر نہیں آرہا ہے۔

● رسول اکرمؐ کے انتقال کے بعد صدیقہ طاہرہؑ نے پہلا انقلاب یہ دیکھا کہ مسلمانوں نے سقیفہ میں جمع ہو کر اس خلافت کا فیصلہ شروع کر دیا جس کا فیصلہ میدان غدیر خم میں ہو چکا تھا اور اس طرح کم سے کم ایک لاکھ چودہ ہزار اصحاب چھوڑ کر جانے والے پیغمبرؐ کے جنازہ میں صرف انگلیوں پر گنے جانے والے افراد نے شرکت کی اور صدیقہ طاہرہؑ نے چند گھنٹوں میں بے رخی اور بے وفائی کا یہ آغاز بھی دیکھ لیا۔

● خلافت کے فیصلہ کے بعد مسلمانوں نے صدیقہ طاہرہؑ کے گھر کا رخ کیا اور باپ کے انتقال کی تعزیت پیش کرنے کے بجائے یہ مطالبہ کیا کہ علیؑ کو گھر سے باہر نکالو کہ دربار میں آکر خلیفۂ وقت

کی بیعت کریں ورنہ گھر میں آگ لگا دی جائے گی۔ اور بعض روایات کی بنا پر دروازہ سے اُٹھتا ہوا دھواں بھی دکھائی دیا۔ جس کے بعد دروازہ صدیقہ طاہرہؑ کے پہلوئے اقدس پر گرایا گیا، اور آپ کے فرزند محسن نے شکم مادر میں شہادت پائی اور حضرت علیؑ کے گلے میں رسّی ڈال کر دربار میں لے گئے کہ ان سے جبری بیعت کا مطالبہ کیا جائے۔ صدیقہ طاہرہؑ نے فریاد کی کہ میں قمیص رسولؐ کو سر پر رکھ کر بد دعا کروں گی جس پر مسجد پیغمبرؐ کی دیواریں بلند ہوگئیں اور حضرت علیؑ نے سلمان کے ذریعہ پیغام بھیج کر خاموش کر دیا۔

بیعت کے مطالبہ کے بعد حکومت وقت نے دوسرا اقدام یہ کیا کہ وہ فدک جو رسول اکرمؐ کا خالصہ تھا اور جسے آپ نے صاحبان قرابت کے حق ادا کرنے کے حکم الٰہی پر جناب فاطمہؑ کو ہبہ کر دیا تھا اس پر قبضہ کر لیا اور آپ کے نمائندہ کو نکال باہر کر دیا۔ آپ اس ظلم پر احتجاج کرنے کے لیے ہاشمی خواتین کے حلقہ میں دربار میں آئیں اور ایک نہایت تفصیلی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اپنے باپ کے احسانات، اپنے شوہر کے خدمات اور اسلامی تعلیمات کا تذکرہ کرتے ہوئے میراث کی آیتیں پیش کیں تاکہ حسبنا کتاب اللہ کہنے والوں کو قرآن سے قائل کیا جا سکے اور ان سے اپنے باپ کی میراث کا تقاضا کیا جا سکے لیکن امت قرآن پر آیات قرآن کا کوئی اثر نہ ہوا تو اپنے حق ہبہ کا تذکرہ فرمایا کہ میرے بابا جان نے اس جائداد کو مجھے ہبہ فرما دیا تھا اور اس پر گواہ بھی پیش کیے جس کے بعد بعض روایات کی بنا پر حاکم وقت نے مطالبہ کو تسلیم کر لیا لیکن حضرت عمرؓ نے مداخلت کی اور اقرار نامہ واپس لے لیا اور آپ اپنے حق سے محروم ہوگئیں۔

اپنے حق فدک سے محرومی، شوہر کے حق خلافت سے محرومی، شکم اقدس میں محسن کی شہادت، پہلو کی شکستگی۔ یہ وہ اسباب تھے جن کی بنا پر دختر پیغمبرؐ باپ کے بعد دنیا میں ۷۵ یا ۹۵ دن سے زیادہ نہ رہ سکیں اور ماہ جمادی الاولیٰ کی تیرہ یا جمادی الثانیہ ۱۱ھ کی تیسری تاریخ کو اس دنیا سے رخصت ہوگئیں جس پر جناب امیرؑ نے یہ مرثیہ پڑھا کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد زہراؑ کا فراق اس امر کی دلیل ہے کہ دنیا میں کسی بھی چاہنے والے کے لیے بقا نہیں ہے اور سب کو ایک دن رخصت ہو جانا ہے۔

وقت آخر آپ حجرۂ عبادت میں تشریف لے گئیں اور جناب اسماء سے فرمایا کہ جب تک میری تسبیح و تہلیل کی آواز آتی رہے سمجھنا کہ دختر پیغمبرؐ زندہ ہے اور جب یہ آوازیں موقوف ہو جائیں تو سمجھ لینا کہ دختر پیغمبرؐ نے انتقال کیا اور میرے بچوں کا خاص خیال رکھنا۔

● اُدھر امیر المومنینؑ کو پاس بٹھا کر وصیتیں فرمائیں کہ میرے جنازہ کو پردۂ شب میں اٹھائیے گا اور میرے ظالموں کو شرکت نہ کرنے دیجیے گا۔ میرے بعد امامہ سے عقد کیجیے گا اور ایک دن میرے بچوں کے ساتھ گذاریئے گا تاکہ انھیں ماں کی جدائی کا احساس اذیت نہ پہونچانے پائے۔

● بچوں کا بھی اس قدر خیال رکھا کہ اپنے ہاتھوں سے نہلایا، بالوں میں شانہ کیا، کپڑے دھو کر رکھ دیے، کھانا تیار کر دیا تاکہ بچوں کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے اور امیر المومنینؑ کو بھی زحمت نہ ہو جس صورت حال کو دیکھ کر امیر المومنینؑ نے اس غیر معمولی مصروفیت کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے بابا کو خواب میں دیکھا ہے اور میرا خواب سچّا ہے۔ لہذا آج میں بابا کی خدمت میں جا رہی ہوں۔

● امیر المومنینؑ نے حسب وصیت غسل و کفن دیا۔ بچوں نے ماں کو رخصت کیا اور جنازہ رات کی تاریکی میں اس تابوت کے اندر اٹھایا گیا جو آپ نے اپنی زندگی میں تیار کرایا تھا اور اس طرح چند اہل خانہ اور مخلصین کے درمیان جنازہ دفن کر دیا گیا اور صورت حال کے پیش نظر نشان قبر بھی غیر واضح بنا دیا گیا۔

● دوسرے دن یہ خبر عام ہوئی تو مسلمانوں نے اپنی شرمندگی کا ازالہ کرنے کے لیے دوبارہ قبر کھول کر جنازہ نکال کر نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا جس پر امیر المومنینؑ کو جلال آگیا اور آپ تیغ بکف میدان میں آگئے کہ خبردار! کوئی قبر زہراؑ کے ساتھ بے ادبی نہ کرنے پائے اور اس طرح یہ مصیبت ٹل گئی اور قبر زہراؑ محفوظ رہ گئی، جس کے بعد قبر اطہر پر روضہ بھی تعمیر ہوا اور سیکڑوں سال قبر اطہر زیارت گاہ خلائق بنی رہی، یہاں تک کہ ابن سعود کے مظالم نے روضہ کو منہدم کر دیا اور نشان قبر بھی نامعلوم بنا دیا۔ (۸ شوال ۱۳۴۴ھ)

روضہ کے انہدام کے بعد تقریباً ۶۵ سال تک وہ حجرہ برقرار رہا جس میں معصومہ باپ کی وفات کے بعد بیٹھ کر ماتم کیا کرتی تھیں لیکن ۱۹۸۵ء میں وہ حجرہ بھی منہدم کر دیا گیا اور اب اس کے آثار بھی تقریباً ختم ہو چکے ہیں۔

وسیعلم الذین ظلموا أیّ منقلب ینقلبون۔

چند مثالی کردار

آپ کی والدہ گرامی ملیکۃ العرب تھیں لیکن آپ نے کبھی راحت و آرام، اور زیب و زینت کی زندگی کو پسند نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اپنے کردار کو ایک نمونۂ عمل بنا کر رکھا۔

آپ کے والد محترم مختار کائنات تھے اور آپ ان کی اکلوتی بیٹی تھیں لیکن آپ نے کبھی اس رشتہ سے فائدہ نہیں اٹھایا اور تمام زندگی ہر طرح کی مصیبت و زحمت برداشت کرتی رہیں۔

آپ کے شوہر امیرالمومنینؑ تھے لیکن آپ نے تمام زندگی کسی طرح کی فرمائش نہیں کی اور ہمیشہ شوہر کی خدمت کرنے کے بعد بھی وقت آخر معذرت طلب کی کہ اگر کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو معاف فرما دیجیے گا۔

آپ کے فرزند سرداران جوانان جنت تھے اور ان کے لیے لباس جنت اور طعام جنت بھی مہیا تھے لیکن اس کے بعد بھی فاقوں میں زندگی گزاری یہاں تک کہ روزہ رکھنے کے بعد سامانِ افطار یتیم و مسکین و اسیر کے حوالے کر دیا جس پر سورۂ دہر کی آیات نے مدح سرائی کی۔

آپ کو رب العالمین نے پانچ اولاد عطا کی تھی، امام حسنؑ، امام حسینؑ، جناب زینب، جناب ام کلثومؑ اور جناب محسن۔ اور آپ نے سب کو راہِ خدا میں قربان کر دیا۔ فرزند سب شہید ہوئے اور بیٹیاں راہِ خدا میں یوں اسیر ہوئیں کہ تماشائیوں کے مجمع میں درباروں اور بازاروں میں حاضر ہونا پڑا۔

آپ کائنات کی تنہا خاتون ہیں جن کے رشتۂ ازدواج میں زوجہ اور شوہر دونوں معصوم تھے اور جس کا رشتہ عرش اعظم پر ہوا ہے۔

آپ کائنات کی وہ منفرد خاتون ہیں جن کی ولادت کے لیے سیب جنت کا مادہ فراہم کیا گیا ہے۔

آپ کائنات کی وہ بے مثال خاتون ہیں جنہیں دو اماموں کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا ہے اور جن کی نسل میں امامت قائم رہ گئی ہے۔

آپ وہ ممدوحہ ہیں جن کی مدح سورۂ کوثر، آیت تطہیر، آیت مباہلہ اور سورۂ دہر جیسے قرآنی آیات و سور میں کی گئی ہے۔

آپ رسول اکرمؐ کی اکلوتی بیٹی ہیں جنہیں ام ابیہا کہلانے کا بھی شرف حاصل ہوا ہے اور جنہیں بضعۃ الرسولؐ بھی قرار دیا گیا ہے۔

آپ وہ تنہا گواہ ہیں جس نے مباہلہ میں رسالت کی گواہی دی ہے اور مسئلہ فدک کے موقع پر امامت کی گواہی دی ہے۔

آپ وہ اکیلی دختر ہیں جن سے رسول اکرمؐ نے ہر سفر کے موقع پر سب سے آخر میں الوداع کہا ہے اور واپسی پر سب سے پہلے ملاقات کی ہے۔

آپ وہ معصومہ ہیں جن کی ذاتی عصمت کے علاوہ ان کے رشتے بھی معصوم تھے۔ باپ معصوم، شوہر معصوم اور دو فرزند معصوم، اور سب کے تعارف کا ذریعہ بھی آپ ہی کی ذات کو بنایا گیا ہے۔

آپ وہ عبادت گذار ہیں جس کی نماز کے وقت زمین سے آسمان تک ایک نور کا سلسلہ قائم ہو جاتا تھا۔

آپ وہ صاحب سخاوت ہیں جس نے فاقوں میں بھی سائل کو محروم واپس نہیں جانے دیا اور اپنی قناعت سے اپنے شوہر کی سخاوت کا بھرم برقرار رکھا۔

آپ وہ باعفت خاتون ہیں جس کا پردہ تمام زندگی برقرار رہا کہ باپ کے ساتھ نابینا صحابی بھی آگیا تو اسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے سکیں اور مرنے کے بعد بھی جنازہ اٹھوانے کے لیے تابوت کا انتظام فرمایا جس سے قد و قامت کا اندازہ نہ ہو سکے۔

آپ وہ صاحب نظر ہیں کہ جب رسول اکرمؐ کے سوال پر کہ عورت کے لیے سب سے بہتر شے کیا ہے؟ کوئی جواب نہ دے سکا تو آپ نے فرمایا کہ عورت کے حق میں سب سے بہتر شے یہ ہے کہ نہ مرد اسے دیکھیں اور نہ وہ مردوں کو دیکھے۔

دو غلط فہمیاں

۱۔ بعض مورخین نے آپ کی دختر نیک اختر جناب ام کلثوم کے بارے میں یہ روایت بیان کی ہے کہ ان کا عقد عمر بن الخطاب سے ہوا تھا اور اس سلسلہ میں ایک داستان بھی بیان

کی ہے۔حالانکہ یہ واقعہ انتہائی بے بنیاد ہے۔آپ کی دختر جناب ام کلثوم کا عقد جناب عبداللہ بن جعفر کے بھائی جناب محمد سے ہوا تھا اور آپ واقعۂ کربلا میں شریک رہیں اور شام کے قیدخانہ سے واپسی پر آپ نے مدینہ کے در و دیوار کو دیکھ کر مرثیہ بھی پڑھا۔

حضرت عمر بن الخطاب کی زوجہ ام کلثوم بنت ابی بکر تھیں جن کی ماں اسماء بنت عمیس تھیں۔ یہ محمد بن ابی بکر کی بہن اور حضرت علیؑ کی ربیبہ تھیں جس کی بنا پر ان کو دختران علیؑ میں شمار کیا گیا ہے۔جس طرح آپ نے محمد کو ابوبکر کے صلب سے اپنا فرزند قرار دیا ہے۔ ام کلثوم کے ایک فرزند زید بن عمر بن الخطاب تھے جن کا ذکر تاریخوں میں موجود ہے۔

۲۔معصومۂ عالم کے بارے میں ارشاد رسولؐ فاطمة بضعة منی من آذاها فقد آذانی کے ذیل میں ایک داستان یہ وضع کی گئی ہے کہ حضرت علیؑ نے ابوجہل کی بیٹی سے عقد کرنا چاہا تو جناب فاطمہؑ نے اس بات کی شکایت رسول اکرمؐ سے کی، اور آپ نے فرمایا کہ فاطمہؑ کو اذیت دینے والا مجھے اذیت دینے والا ہے اور اس طرح روایت کا رُخ فاطمہ زہراؑ کے پہلو شکستہ کرنے والوں، ان کی جائداد پر قبضہ کرنے والوں اور انھیں بعد رسولؐ مسلسل اذیت دینے والوں کی طرف سے ہٹا کر حضرت علیؑ کی طرف موڑ دیا گیا۔

حالانکہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ بات صحیح بھی ہوتی تو اس میں دختر رسولؐ کی اذیت کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ امیرالمومنینؑ کا ایک قرآنی حق تھا جسے وہ استعمال کر سکتے تھے۔۔۔ اور صدیقہ طاہرہ کو حکم قرآنی پر عمل کرنے سے قطعاً کوئی اذیت نہیں ہوسکتی تھی اور نہ رسول اکرمؐ قرآن کریم پر عمل کرنے پر کوئی احتجاج کر سکتے تھے۔

پھر اگر خود رسول اکرمؐ ابوسفیان کی بیٹی سے عقد کر سکتے ہیں تو دوسرے کو ابوجہل کی بیٹی سے عقد کرنے کو کس طرح روک سکتے ہیں۔

اور اگر خود بیک وقت ۹ ازواج کو بیت الشرف میں جگہ دے سکتے ہیں اور کسی زوجہ کی اذیت یا اس کے گھر والوں کی اذیت کا خیال نہیں ہے تو علیؑ کے اقدام کو کس طرح وجہ اذیت قرار دے سکتے ہیں۔

اور پھر کیا علیؑ کے لیے ابوجہل کی بیٹی کے علاوہ عرب میں کوئی خاتون نہیں تھی کہ

مورخین نے اس دشمن اسلام کا سہارا لیا ہے اور محدثین نے داستان کو حدیث کا مقدمہ قرار دے دیا ہے۔حقیقت امر یہ ہے کہ یہ حدیث رسولؐ کے لیے ایک تاویلی بازی گری ہے ورنہ اس کا کوئی تعلق مسئلہ ازدواج سے نہیں ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح رسول اکرمؐ نے حضرت خدیجہ کے ہوتے ہوئے دوسرا عقد نہیں کیا ہے اسی طرح صدیقہ طاہرہؑ کی حیات میں امیرالمومنینؑ نے کوئی دوسرا عقد نہیں کیا ہے، اور یہ ماں بیٹی کا ایک تاریخی امتیاز ہے جس میں کوئی دوسری خاتون شریک نہیں ہے۔

خصائص الزہراؑ

کسی شخص کے خصوصیات و امتیازات کے بارے میں دو طرح سے بحث کی جاسکتی ہے ایک بحث کا انداز یہ ہوتا ہے کہ اس کے امتیازات عام افراد بشر اور بنی نوع انسان کے درمیان کیا ہیں؟ اور وہ دوسرے افراد نوع کے مقابلہ میں کن خصوصیات کا حامل ہے؟ اور ایک بحث کا انداز یہ ہے کہ وہ اپنے جیسے صاحبان فضل و کمال کے درمیان کیا امتیاز رکھتا ہے اور اسے کون سے خصوصیات حاصل ہیں جو دوسرے صاحبانِ فضل و کمال کو بھی حاصل نہیں ہیں۔

پہلا انداز بحث نسبتاً آسان اور سہل الحصول ہوتا ہے کہ ہر شخص میں عوام الناس کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ خصوصیات و امتیازات بہر حال پیدا ہو جاتے ہیں اور ان خصوصیات کو اس کے وجود کا طرۂ امتیاز قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن دوسرا انداز بحث قدرے مشکل ہے کہ صاحبانِ کمال کے درمیان امتیاز قائم کیا جائے اور ان کے باہمی تفاوت کا اندازہ لگایا جائے۔

یہ بحث اس لیے بھی مشکل ہے کہ ہر انسان امتیازات اور خصوصیات کا مالک بھی نہیں ہوتا ہے اور اس لیے بھی مشکل ہے کہ صاحبانِ کمالات کے درمیان امتیاز قائم کرنا، اور خصوصیات کا سُراغ لگانا ہر کس و ناکس کے بس کا کام بھی نہیں ہے۔۔۔ پھر اگر موضوع ایسے افراد کی زندگی ہو جہاں قدم قدم پر حد ادب کا لحاظ رکھنا ضروری ہو، اور حفظ مراتب کے ادنیٰ

تغافل سے دین وایمان اور دنیا وآخرت کے خطرہ میں پڑجانے کا اندیشہ ہو تو مسئلہ اور بھی مشکل ہوجاتا ہے۔

خصائص الزہراؑ کے موضوع پر بحث کرنے کی سب سے بڑی دشواری یہی ہے کہ صدیقہ طاہرہؑ کا تقابل عام بنی نوع انسان سے نہیں ہوسکتا ہے اور ان کے سامنے دیگر افراد کا تذکرہ بھی ایک طرح کی توہین کا درجہ رکھتا ہے جس طرح ایک شیر دل خاتون نے حاکم ظالم کے دربار میں یہ کہا تھا کہ یہ میرے اوپر الزام ہے کہ میں مولائے کائنات حضرت علیؑ کو دیگر افراد امت اور حکام اسلام سے افضل قرار دیتی ہوں۔ اس لیے کہ افضلیت کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دونوں طرف فضیلت ہو اور صرف کم وبیش کا فرق ہو۔ لیکن جہاں ایک طرف فضیلت ہی فضیلت ہو اور دوسری طرف فقدان ہی فقدان ہو وہاں افضلیت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

صاحبانِ فضل وکمال کے درمیان امتیازات کا پتہ لگانا صاحبانِ فضل وکمال ہی کا کام ہے۔ عام انسانوں کے بس کا کام نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ میرا شمار ان صاحبانِ فضل وکمال میں نہیں ہے جنھیں اس کام کا اختیار دیا جاسکتا ہو۔ لہٰذا یہ کام میرے اختیار سے باہر ہے۔

توسوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر میں نے اس بحث کا آغاز کیوں کیا اور اس طرح کا موضوع کیوں اُٹھایا اور مجھے یہ اندازہ کس طرح ہوگیا کہ صاحبانِ عصمت وفضیلت کے درمیان بھی تفاوتِ کمالات ہوسکتا ہے اور ان کمالات کے درمیان صدیقہ طاہرہؑ کے کمالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔؟

حقیقت امر یہ ہے کہ یہ میرے ذہن کی اُپج نہیں ہے۔ اس کا سُراغ آیات قرآن اور احادیث مرسلِ اعظمؐ میں موجود ہے اور اسی نکتہ نے اس حسّاس موضوع کے چھیڑنے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ رب العالمین نے قرآن مجید میں صاف لفظوں میں اعلان کردیا ہے کہ ہم نے مرسلینؑ کے درمیان بھی فضیلت وکمالات کے درجات رکھے ہیں اور ان میں بھی تفاوتِ مراتب قرار دیا ہے اور سرکار دوعالمؐ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے سردارانِ جوانانِ جنت ہونے کا اعلان کرنے کے بعد بھی فرمایا ہے کہ ان کے پدرِ بزرگوار ان سے بھی افضل ہیں۔ جو اس بات کی علامت ہے کہ مرسلینؑ کی طرح ائمہ معصومینؑ کے درمیان بھی کسی نہ کسی اعتبار سے امتیاز ضرور پایا جاتا ہے۔

اور اسی بات نے اس امر کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ تاریخ بشریت وعصمت میں صدیقہ طاہرہؑ کے خصوصیات وامتیازات کا پتہ لگایا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ حضرت فاطمہ زہرؑا کو ان خواتین کے مقابلہ میں کیا امتیازات حاصل ہیں جنھیں امت اسلامیہ نے مبینہ طور پر صاحب کمال قرار دیا ہے اور ان خواتین کے مقابلہ میں کیا خصوصیات حاصل ہیں جو نگاہ قرآن وسنت میں بھی صاحبانِ فضل وکمال ہیں اور جن کی فضیلت وشرافت کا اعلان آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ نے کیا ہے۔ اور پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ خواتین ہی کی طرح صدیقہ طاہرہؑ کو صنف رجال کے مقابلہ میں کیا امتیاز حاصل ہے، جس کی بنا پر سرکار دوعالمؐ نے فرمادیا ہے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمؑہ کا کوئی ہمسر ہوتا چاہے وہ آدم ہوں یا غیر آدم۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کا موضوع ایک مفصل کتاب کا موضوع ہے۔ اس لیے میں صرف اشارات اور علامات پر اکتفا کروں گا اور تفصیلات کا معاملہ اربابِ دانش اور اہلِ علم کے حوالے کردوں گا، تاکہ وہ افراد ملت کو تفصیلات اور تشریحات سے باخبر کرسکیں۔

صدیقہ طاہرہؑ کے امتیازات کی دو قسمیں ہیں:

ذاتی امتیازات[1] اور اضافی امتیازات[2]۔

اضافی امتیازات کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ کائنات میں کوئی خاتون ایسی نہیں ہے جس کے تمام رشتے اس قدر بلند وبرتر ہوں جس قدر بلند وبرتر رشتے صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہرؑا کے ہیں کہ آپ کا باپ کائنات کے تمام انسانوں سے بالاتر اور آپ کا شوہر امت اسلامیہ کے تمام نامور افراد سے بہتر بلکہ انبیاء ومرسلین سے افضل اور آپ کے فرزند جوانانِ جنت کے سردار اور منصبِ امامت کے مالک ہیں۔

وطن کے اعتبار سے جائے پیدائش مدینہ منورہ اور بیتِ رسالت۔

خاندان کے اعتبار سے کائنات کا منتخب ترین گھرانہ بنی ہاشم۔

زبان کے اعتبار سے لغت قرآن میں گفتگو کرنے والی۔ جس کی خادمہ متکلمہ بالقرآن کا لقب حاصل کرے۔

اور اسی طرح کے بے شمار خصوصیات ہیں جو دیگر افراد امت کے مقابلہ میں حاصل ہیں

لیکن یہ اضافی کمالات عام طور سے واقعی کمالات کا درجہ حاصل نہیں کر پاتے ہیں کہ ان میں انسان کے ذاتی کسب و اکتساب سے زیادہ دخل پروردگار کے فضل و کرم کا ہوتا ہے اور اس کے بارے میں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پروردگار نے اس شخص کو اس فضل و کرم کے قابل سمجھا ہے اور دیگر افراد کو نہیں سمجھا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس شخص نے اپنی صلاحیت و استعداد سے یہ امتیاز حاصل کیا ہے ـــ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ اضافی کمالات ہمیشہ دوسرے انسان کے ہوتے ہیں جن کی نسبت دوسرے انسان کی طرف سے دی جاتی ہے اور ذاتی کمالات خود اپنے ہوتے ہیں چاہے زور بازو سے حاصل کیے جائیں یا وہ بھی کرم پروردگار کا نتیجہ ہوں. لیکن بہرحال ان کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے۔

صدیقہ طاہرہؑ کے ذاتی کمالات و امتیازات کی چند قسمیں ہیں :

ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق جسم عنصری سے ہے ـــ اور ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق روحانیات اور معنویات سے ہے۔ اور پھر روحانیات و معنویات کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا تعلق علمی پہلو سے ہے، اور ایک کا تعلق عملی پہلو سے ہے۔ ذیل میں ان تمام کمالات اور امتیازات کا ہلکا سا نقشہ پیش کیا جا رہا ہے :

جسمانی امتیازات

۱۔ بتول : علماء شیعہ و سنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مالکِ کائنات نے جناب فاطمہؑ کو بتول قرار دیا ہے اور ان تمام عوارض سے الگ رکھا ہے جن میں عام طور سے ہر عورت ہر مہینہ مبتلا ہوا کرتی ہے۔

علمائے اہلِ سنت میں صاحب ینابیع المودت علامہ قندوزی، صاحب مناقب علامہ صالح کشفی، صاحب ارجح المطالب علامہ امرتسری، صاحب تاریخ بغداد حافظ ابوبکر شافعی، صاحب تاریخ کبیر ابن عساکر، صاحب ذخائر العقبیٰ علامہ طبری اور حافظ سیوطی نے خصائص میں اس حقیقت کا تذکرہ کیا ہے جس کے بعد کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے اور نہ اس تشکیک کا کوئی اعتبار ہے کہ یہ ہر عورت کے عورت ہونے کا لازمہ ہے جو اس سے الگ نہیں ہو سکتا ہے۔

یا یہ کہ یہ خون زمانہ حمل میں بچہ کی غذا بن جاتا ہے لہٰذا اس عادت سے پاک عورت نہ حاملہ ہو سکتی ہے اور نہ صاحب اولاد ـــ اس لیے کہ ان دونوں باتوں کا جواب جناب مریم کی زندگی میں موجود ہے کہ ایک طرف مریم طاہرہ تھیں اور مادی عوارض سے پاک تھیں اور دوسری طرف قدرت نے عام قوانین فطرت سے ہٹ کر انھیں صاحب اولاد بنا دیا تھا جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ قانون طبیعت ایک حقیقی قانون ہے لیکن اس کا پابند خالق طبیعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنے مقرر کردہ قوانین میں تبدیلی بھی پیدا کر سکتا ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ امیرالمومنینؑ کے حیات فاطمہؑ میں عقد ثانی نہ کرنے کا ایک راز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رب العالمین نے صدیقہ طاہرہؑ کو تمام عوارض سے پاک رکھا تھا لہٰذا دوسرے عقد کا کوئی داعی اور موجب نہیں تھا۔ علاوہ اس کے کہ کوئی عورت صدیقہ طاہرہؑ کی عظمت اور محبت میں شریک و سہیم بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

صدیقہ طاہرہؑ کو بتول قرار دینے کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ عورت ان ایام میں عبادات سے محروم ہو جاتی ہے اور اس کے اعمال میں ایک طرح کا نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ رب العالمین نے یہ پسند نہیں کیا کہ صدیقہ طاہرہؑ کی عبادات میں کسی طرح کا نقص پیدا ہو اور انھیں کسی زمانے میں بھی عبادات سے محروم رکھا جائے اور اس طرح یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ دنیا کی ہر خاتون نقص عبادات کا شکار ہو سکتی ہے لیکن صدیقہ طاہرہؑ اس اعتبار سے بھی کامل و اکمل ہیں اور ان کے کردار میں کسی نقص کی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عورت کو عام طور سے تین نقائص کا حامل بنایا گیا ہے، نقص ۱ ایمان، نقص ۲ میراث اور نقص ۳ عقل۔ کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہوتی ہے۔ رب العالمین نے صدیقہؑ طاہرہ کو تینوں نقائص سے پاک رکھا ہے۔ بتول بنا کر نقص ایمان و عبادت سے پاک بنایا۔ تنہا وارث پیغمبرؐ بنا کر نقص میراث سے بچایا اور معصومہ بنا کر نقص شہادت سے پاک و پاکیزہ بنا دیا اور یہ جامعیتِ کمالات آپ کے علاوہ کسی اور خاتون کو حاصل نہیں ہو سکی۔

۲۔ عذراء : صدیقہ طاہرہؑ کے جسمانی امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ

پروردگار عالم نے انھیں دائمی طور پر عذرا، قرار دیا تھا اور ان کی یہ صفت جنت کی ان حوروں سے متشابہ تھی جنھیں "اتراب ابکار" قرار دیا گیا تھا اور اسی اعتبار سے رسول اکرمؐ نے صدیقہ طاہرہؑ کو حوراء انسیہ کے لفظ سے یاد کیا ہے کہ فاطمہؑ ظاہری اعتبار سے انسان ہیں لیکن باطنی اعتبار سے حوران جنت کی صفت کی حامل ہیں۔

معنوی کمالات

۱۔ ان کمالات میں سب سے واضح کمال آپ کا محدثہ ہونا ہے کہ آپ ملائکہ سے ہم کلام ہوتی تھیں اور ملائکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر کلام کیا کرتے تھے۔ امر و نہی اور آیاتِ قرآن کی وحی رسول اکرمؐ پر تمام ہوگئی تھی لیکن دیگر معاملات کی وحی اور اس کے الہام کا سلسلہ برابر جاری تھا جس طرح کہ قرآن مجید نے مادر جناب موسیٰ اور جناب مریم کو منزل وحی قرار دیا ہے اور ان کے ملائکہ سے ہم کلام ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

صدیقہ طاہرہؑ کے اس محدثہ ہونے کا امتیاز یہ ہے کہ آپ نے ان تمام الہامات کو اس طرح جمع کر لیا کہ ایک صحیفہ تیار ہوگیا جسے مصحف فاطمہؑ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کے بارے میں امام صادقؑ نے فرمایا ہے کہ یہ صحیفہ حجم اور ضخامت کے اعتبار سے اس قرآن کا تین گنا ہے لیکن اس میں قرآن کے مطالب و معارف کی تکرار نہیں ہے بلکہ ان تمام معاملات کا تذکرہ ہے جن کی ضرورت عالم انسانیت کو ہوسکتی ہے اور ان تمام حادثات اور حکومتوں کا تذکرہ ہے جو قیامت تک قائم ہونے والی ہیں۔

اس مقام پر یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ کوئی دوسرا قرآن ہے جس پر کسی قوم یا مذہب نے اعتماد کیا ہے۔ قرآن ایک ہی قرآن ہے جس کا شریک و سہیم اہلبیت اطہارؑ کو قرار دیا گیا ہے۔ یہ ایک صحیفہ ہے جسے لغوی اعتبار سے مصحف کہا گیا ہے کہ مصحف لغوی اعتبار سے مجموعۂ رسائل وکلمات کا نام ہے۔ قرآن مجید کو اصطلاحاً مصحف کہا جاتا ہے ورنہ یہ لفظ بالکل عام ہے جس کا اطلاق ہر صحیفہ اور کتاب پر ہوسکتا ہے۔

وحی کا اطلاق بھی قرآن مجید نے مختلف مقامات پر الہام اور القاء پر کیا ہے اور

اس کا کوئی اختصاص آیاتِ قرآن یا احکام شریعت سے نہیں ہے۔ اس کا استعمال شہد کی مکھی کے بارے میں بھی ہوا ہے، بشر تو پھر بشر ہے۔ اور پھر اگر بشر بھی خیر البشر ہو، اور اس کا مرتبہ تمام عالم بشریت سے بالاتر ہو۔

۲۔ **طہارت**: مالک کائنات نے صدیقہ طاہرہؑ کو تطہیر کا مرکز قرار دیا ہے اور آیت تطہیر کے نزول کے لیے ان کے گھر اور ان کی چادر کا انتخاب کیا ہے جس کا اعتراف بے شمار محدثین اور مفسرین نے کیا ہے اور حدیث کساء میں اس واقعہ کی مفصل تشریح موجود ہے۔

۳۔ **صداقت**: میدان مباہلہ میں رسول اکرمؐ اسلام کے عقائد کی حقانیت، قرآن کی عظمت اور اپنی صداقت کے گواہ لے کر نکلے تو خواتین میں صدیقہ طاہرہؑ کے علاوہ کوئی نہ تھا، جو اس بات کی علامت ہے کہ مردوں میں چار مرد بیک وقت ایک جیسی صداقت کے حامل ہوسکتے ہیں۔ لیکن صنف خواتین میں صدیقہ طاہرہؑ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے جسے رسالت کا گواہ بنا کر پیش کیا جا سکے۔ اور یہ اس امر کی بھی دلیل ہے کہ صدیقہ طاہرہؑ تن تنہا بھی رسالت کی گواہی کے لیے کافی ہیں تو ان سے کسی معاملہ میں گواہی طلب کرنا قرآن مجید سے تغافل یا مقابلہ کے مترادف ہے۔

۴۔ **شجاعت**: شجاعت کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

ایک شجاعت کا اظہار قوت قلب و جگر سے ہوتا ہے جو عام طور سے خطرات کی منزل اور میدانوں میں سامنے آتی ہے اور ایک شجاعت کا اظہار زورِ زبان سے ہوتا ہے جہاں سلطان جابر کے سامنے کلمۂ حق کا اعلان کیا جاتا ہے۔

مالک کائنات نے صدیقہ طاہرہؑ کو دونوں طرح کی شجاعت سے نوازا تھا۔

قوتِ قلب و جگر کے اعتبار سے وہ منظر بھی قابل توجہ ہے جب رسول اکرمؐ کا سارا گھر کفار و مشرکین کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا اور آپ ہجرت کرکے مدینہ کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ خانۂ رسالت میں اگر ایک طرف شیر خدا علیؑ مرتضیٰ بستر رسالت پر محو استراحت تھے تو دوسری طرف صدیقہ طاہرہؑ نہایت ہی کمسنی کے عالم اس محاصرہ کا مقابلہ کر رہی تھیں اور

آپ پر کسی طرح کا خوف و ہراس نہیں تھا جب کہ انھیں کفار کے خوف سے بڑے بڑے بہادر افراد حزن و خوف میں مبتلا ہو گئے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔

خود میدان احد میں بھی اس شجاعت کا ایک منظر دیکھنے میں آیا جہاں کفار و مشرکین کے خوف سے سپاہیانِ اسلام نے میدان چھوڑ دیا تھا۔ لیکن صدیقہ طاہرہؑ جناب صفیہ کے ہمراہ میدان کی طرف آئیں اور جناب حمزہ کے لاشہ پر گریہ بھی کیا اور اپنے باپ کے زخموں کا علاج بھی کیا۔

احد کی جنگ کا نقشہ دیکھنے والے اور قرآن مجید میں اصحاب رسولؐ کے فرار کی داستان پڑھنے والے صدیقہ طاہرہؑ کی اس قوت قلب و جگر کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں اور انھیں احساس ہو سکتا ہے کہ اس قیامت خیز موقع پر میدانِ جہاد کی طرف قدم بڑھانا کس ہمت اور طاقت کا کام ہے۔

ادبی شجاعت کے لیے تاریخ صدیقہ طاہرہؑ کا وہ قیامت خیز موقع ہی کافی ہے، جب رسول اکرمؐ کے بعد اپنے حق کے اثبات کے لیے دربارِ خلافت میں آئیں اور وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس نے اہلِ دربار کے دل ہلا دیے اور حاکم وقت کو آنسو بہانے پر مجبور کر دیا تاریخ میں اس خطبہ اور اس کے متعلقات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے اور اس تذکرہ سے اس شجاعت و ہمت کا مکمل اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس خطبہ میں اسلامی احکام کے علل و اسباب، آیاتِ قرآنی سے استدلال، انصار و مہاجرین کی غیرت کو چیلنج، اپنے حق کے اثبات اور عورتوں کے حقوق سے دفاع کے بارے میں جن حقائق و معارف کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کا ہوش پُرسکون حالات میں بھی نہیں رہ جاتا ہے چہ جائیکہ ایسے سنگین حالات میں اور ایسے سخت ترین ماحول میں۔ ایسا خطبہ ایک خاتون کی زندگی کا وہ شاہکار ہے جسے معجزہ و کرامت سے کم کا درجہ نہیں دیا جا سکتا ہے۔

تسبیح فاطمہؑ

اضافی کمالات اور ذاتی مناقب کے بعد اسلام میں صدیقہ طاہرہؑ کی عطا کا جائزہ لیا جائے تو اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

صدیقہ طاہرہؑ نے ملتِ اسلامیہ کو درس تسبیح بھی دیا ہے اور اسلام کو محافظ بھی فراہم کیے ہیں۔ درسِ تسبیح کے اعتبار سے آپ کی تسبیح آج بھی ہر نماز کی تکمیل اور ہر عبادت کی جان ہے۔ معنوی اعتبار سے یہ تکبیر، تحمید اور تسبیح سے مرکب ہے۔ اور ظاہری اعتبار سے ابتدا میں یہ تسبیح دھاگوں کی گرہوں سے بنائی گئی، اس کے بعد جب جناب حمزہ کی شہادت واقع ہوئی تو معصومۂ عالمؑ نے ان کی خاکِ قبر سے تسبیح کے دانے تیار کیے اور اسی طرزِ عمل کے اتباع میں امام سجادؑ نے خاک قبر سید الشہداء سے تسبیح کے دانے تیار کیے جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور اس کے بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ خاک شفا خود بھی تسبیح پروردگار کرتی رہتی ہے چاہے کوئی تسبیح پڑھنے والا ان دانوں پر ذکر خدا نہ بھی کرے اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے، اگر سورۂ جمعہ کے مطابق کائنات کا ہر ذرہ تسبیح پروردگار کر رہا ہے تو جن ذرات میں خون معصوم جذب ہو گیا ہو ان کے تسبیح پروردگار کرنے میں کیا تعجب ہے۔

تسبیح کے بارے میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ دانے ذکرِ خدا کا ذریعہ ہوتے ہیں، ذکر وہی ہے جو انسان کی زبان پر ہوتا ہے۔ اس بنا پر پلاسٹک کے دانوں کو ذریعہ بنا کر صلوات بھی پڑھی جا سکتی ہے اور خاک شفا کے دانوں کو ذریعہ بنا کر لعنت بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اس کا کوئی تعلق دانوں سے نہیں ہے۔ دانوں پر نہ صلوات پڑھی جاتی ہے اور نہ لعنت۔ دانے صرف عدد و شمار کرنے کا ذریعہ ہیں بلکہ خاک شفا کے دانے خود بھی ظالموں پر اسی طرح لعنت کرتے ہیں جس طرح ذکر پروردگار کرتے رہتے ہیں۔

اسلام کو محافظ فراہم کرنے میں صدیقہ طاہرہؑ کی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں مالکِ کائنات نے مصداق کوثر قرار دیا ہے اور ایک وحدت میں بے پناہ کثرت کو سمو دیا ہے۔

صدیقہ طاہرہؑ وہ دخترِ پیغمبرؐ ہیں جو نسلِ پیغمبرؐ کی بقا کا ذریعہ ہیں جب کہ دنیا میں ہر انسان کی نسل بیٹے کے ذریعہ قائم ہوتی ہے۔ اللہ نے پیغمبر اسلامؐ کی نسل کو بیٹی کے ذریعہ قرار دیا ہے اور پھر اس میں اس قدر برکت دے دی ہے کہ ایک محتاط اندازہ کے مطابق آج دنیا میں تقریباً ۳۵۰۰۰۰۰ ملین سادات پائے جاتے ہیں، جن میں سے تقریباً ۲۰ لاکھ عراق میں، ۳۰ لاکھ ایران میں، ۵۰ لاکھ مصر میں، ۵۰ لاکھ مغرب میں، پھر لاکھوں کی تعداد میں الجزائر، تیونس، اردن، شام، لبنان، سوڈان، خلیج اور سعودی عرب میں۔ پھر تقریباً ۲ کروڑ یمن، ہندوستان، پاکستان،

افغانستان، انڈونیشیا وغیرہ ہیں، جیسا کہ "فاطمۃ الزہراءؑ من المہد الی اللحد" کے مصنف نے تحریر فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا بیانات سے صدیقہ طاہرہؑ کے خصوصیات اور امتیازات کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے، اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صدیقہ طاہرہؑ کے جن کمالات میں دوسرے افراد شریک ہیں ان میں بھی صدیقہ طاہرہؑ کو ایک امتیاز حاصل ہے۔

مثال کے طور پر اگر نسبی اعتبار سے بعض خواتین معصوم کی بیٹی یا زوجہ یا ماں ہیں تو صدیقہ طاہرہؑ ہر اعتبار سے عصمتی رشتہ کی مالک ہیں اور ان کے دو فرزند امام ہیں۔

اگر طہارت کے اعتبار سے مریم بتول ہیں تو صدیقہ طاہرہؑ زوجہ شیر خدا ہونے کے باوجود اور اپنے فرزندوں کی مادی ولادت کے باوجود بتول ہیں۔

اگر بعض خواتین کو ملائکہ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے تو صدیقہ طاہرہؑ نے ایک پورا مصحف بطور وراثت چھوڑا ہے جو دو چار کلمات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اولین و آخرین کے حالات و کوائف کا مجموعہ ہے۔

اگر صداقت کے اعتبار سے مادر جناب عیسیٰ صدیقہ ہیں تو جناب فاطمہؑ زہرا صدیقہ کبریٰ ہیں کہ مریم اپنی عصمت میں عیسیٰ کی گواہی کی محتاج تھیں اور صدیقہ طاہرہؑ نے مباہلہ میں رسول اکرمؐ کی صداقت کی گواہی دی ہے۔ اگر شجاعت کے اعتبار سے رسول اکرمؐ اور مولائے کائنات نے مرد ہو کر ہمت و شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے تو صدیقہ طاہرہؑ نے صنف نازک سے تعلق رکھنے کے بعد بھی اسی ہمت و شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے۔

ادبی شجاعت میں اگر مولائے کائنات نے مجمع مسلمین میں خطبے دیے ہیں تو صدیقہ طاہرہؑ نے دشمنوں کے اجتماع میں خطبہ پڑھا ہے، اور وہاں خطبہ پڑھا ہے جہاں مولائے کائنات بیت الشرف میں تھے اور صدیقہؑ سر دربار گرم خطاب تھیں اور باطل کو مکمل طور پر بے نقاب کر رہی تھیں۔ صدیقہ طاہرہؑ کے شرف کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ مباہلہ میں رسالت کو ضرورت پڑی تو اس کی گواہی دی اور خلافت میں امامت کو ضرورت پڑی تو اس کی وکالت کا فرض انجام دیا۔ فسلام اللہ علیہا وعلیٰ ابیہا وبعلہا وبنیہا ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خطبۂ فدک

ساری تعریف اللہ کے لیے ہے اس کے انعام پر، اور اس کا شکر ہے اس کے الہام پر۔ وہ قابل ثنا ہے کہ اس نے بے طلب نعمتیں دیں اور مکمل نعمتیں دیں اور مسلسل احسانات کیے جو شمار سے بالاتر۔ معاوضہ سے دور اور ادراک سے بلند ہیں۔ بندوں کو دعوت دی کہ شکر کے ذریعہ نعمتوں میں اضافہ کرائیں، پھر ان نعمتوں کو مکمل کر کے مزید حمد کا مطالبہ کیا اور انھیں دُہرا دیا۔

میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کلمہ کی اصل اخلاص ہے، اس کے معنی دلوں سے وابستہ ہیں۔ اس کا مفہوم فکر کو روشنی دیتا ہے۔ وہ خدا وہ ہے جس کی آنکھوں سے رویت، زبان سے تعریف اور خیال سے کیفیت محال ہے۔ اس نے چیزوں کو بلا کسی مادے اور نمونے کے پیدا کیا ہے صرف اپنی قدرت اور مشیت کے ذریعہ۔ اسے نہ تخلیق کے لیے نمونہ کی ضرورت تھی، نہ تصویر میں کوئی فائدہ سوائے اس کے کہ اپنی حکمت کو مستحکم کرے اور لوگ اس کی اطاعت کی طرف متوجہ ہوں قدرت کا اظہار ہو، بندے اس کی بندگی کا اقرار کریں، تقاضائے عبادت کرے تو اپنی دعوت کو تقویت دے۔ اس نے اطاعت پر ثواب اور معصیت پر عذاب رکھا تاکہ لوگ اس کے غضب سے دور رہیں اور جنّت کی طرف کھنچ آئیں۔

میں شہادت دیتی ہوں کہ میرے والد حضرت محمدؐ اللہ کے بندے اور وہ رسول ہیں جن کو بھیجنے کے پہلے چُنا گیا اور بعثت سے پہلے منتخب کیا گیا۔ اس وقت جب مخلوقات پردۂ غیب میں پوشیدہ اور حجاب عدم میں محفوظ اور انتہاء عدم سے مقرون تھیں آپ مسائل امور اور حوادث زمانہ اور مقدرات کی مکمل معرفت رکھتے تھے۔ اللہ نے آپ کو بھیجا تاکہ اس کے امر کو تمام کریں، حکمت کو جاری کریں اور حتمی مقدرات کو نافذ کریں آپ نے دیکھا کہ امتیں مختلف ادیان میں تقسیم ہیں، آگ

کی پوجا، بتوں کی پرستش اور خدا کے جان بوجھ کر انکار میں مبتلا ہیں۔ آپ نے ظلمتوں کو روشن کیا، دل کی تاریکیوں کو مٹایا، آنکھوں سے پردے اٹھائے، ہدایت کے لیے قیام کیا، لوگوں کو گمراہی سے نکالا، اندھے پن سے بابصیرت بنایا، دینِ مستحکم اور صراطِ مستقیم کی دعوت دی۔ اس کے بعد اللہ نے انتہائی شفقت، مہربانی اور رغبت کے ساتھ انھیں بُلا لیا، اب وہ اس دنیا کے مصائب سے راحت میں ہیں، ان کے گرد ملائکہ ابرار اور رضائے الٰہی ہے اور سر پر رحمتِ خدا کا سایہ۔ خدا میرے اس باپ پر رحمت نازل کرے جو اس کا نبی، وحی کا امین، مخلوقات میں منتخب مصطفیٰ اور مرتضیٰ تھا، اس پر سلام و رحمت و برکتِ خدا ہو۔

بندگانِ خدا! تم ان کے حکم کا مرکز، ان کے دین و وحی کے حامل، اپنے نفس پر اللہ کے امین اور امتوں تک اس کے پیغام رساں ہو۔ تمھارا خیال ہے کہ تمھارا اس پر کوئی حق ہے حالاں کہ تم میں اس کا وہ عہد موجود ہے جسے اس نے بھیجا ہے اور وہ بقیہ ہے جسے اپنی خلافت دی ہے۔ وہ خدا کی کتابِ ناطق، قرآنِ صادق، نورِ ساطع ضیا، روشن ہے جس کی بصیرتیں بیّن اور اسرار واضح، ظواہر منور، اتباع قابلِ رشک، قائدِ رضائے الٰہی اور سماعت ذریعۂ نجات ہے۔ اسی سے اللہ کی روشن حجتیں، اس کے واضح فرائض، مخفی محرمات، روشن بینات، کافی دلائل، مندوب فضائل، لازمی تعلیمات اور قابلِ رخصت احکام کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد خدا نے ایمان کو شرک سے تطہیر، نماز کو تکبر سے پاکیزگی، زکوٰۃ کو نفس کی صفائی اور رزق کی زیادتی، روزہ کو خلوص کا استحکام، حج کو دین کی تقویت، عدل کو دلوں کی تنظیم، ہماری اطاعت کو ملّت کا نظام، ہماری امامت کو تفرقہ سے امان، جہاد کو اسلام کی عزت، صبر کو طلبِ اجر کا معاون، امر بالمعروف کو عوام کی مصلحت، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو عذاب سے تحفظ، صلۂ رحمی کو عدد کی زیادتی، قصاص کو خون کی حفاظت، ایفارِ نذر کو مغفرت کا وسیلہ، ناپ تول کو فریب دہی کا توڑ، حرمتِ شراب خوری کو رجس سے پاکیزگی، تہمت سے پرہیز کو لعنت سے محافظت، ترکِ سرقہ کو عفت کا سبب قرار دیا، شرک کو حرام کیا تاکہ ربوبیت سے اخلاص پیدا ہو۔ لہٰذا اللہ سے باقاعدہ ڈرو اور بغیر مسلمان ہوئے نہ مرو، اس کے امر و نہی کی اطاعت کرو اس لیے کہ اس کے بندوں میں خوفِ خدا رکھنے والے صرف صاحبانِ علم و معرفت ہیں۔

لوگو! یہ جان لو کہ میں فاطمہؑ ہوں، اور میرے باپ محمد مصطفیٰؐ ہیں۔ یہی اول و آخر کہتی ہوں اور نہ غلط کہتی ہوں اور نہ بے ربط۔ وہ تمھارے پاس رسول بن کر آئے، ان پر تمھاری زحمتیں شاق تھیں، تمھاری بھلائی کے خواہاں اور صاحبانِ ایمان کے لیے رحیم و مہربان تھے۔ اگر تم انھیں اور ان کی نسبت کو دیکھو تو تمام عورتوں میں صرف میرا باپ، اور تمام مَردوں میں صرف میرے ابنِ عم کا بھائی پاؤ گے، اور اس نسبت کا کیا کہنا؟

میرے پدر بزرگوار نے کھُل کر پیغامِ خدا کو پہنچایا، مشرکین سے بے پروا ہو کر ان کی گردنوں کو پکڑ کر اور ان کے سرداروں کو مار کر دینِ خدا کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت دی، بُتوں کو توڑ رہے تھے اور مشرکین کے سرداروں کو سرنگوں کر رہے تھے یہاں تک کہ مشرکین کو شکست ہوئی، وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ رات کی صبح ہو گئی، حق کی روشنی ظاہر ہو گئی، دین کا ذمہ دار گویا ہو گیا، شیاطین کے ناطقے گنگ ہو گئے، نفاق تباہ ہوا، کفر و افتراق کی گرہیں کھُل گئیں اور تم لوگوں نے کلمۂ اخلاص کو ان روشن چہرہ فاقہ کش لوگوں سے سیکھ لیا، جن سے اللہ نے رجس کو دور رکھا ہے اور حقِ طہارت عطا کیا ہے۔ تم جہنم کے کنارے تھے میرے باپ نے تمھیں بچایا، تم ہر لالچی کے لیے مالِ غنیمت اور ہر زود کار کے لیے چنگاری تھے، ہر پیر کے نیچے پامال تھے، گندہ پانی پیتے تھے پتے چباتے تھے، ذلیل اور پست تھے۔ ہر وقت چار طرف سے حملے کا اندیشہ تھا لیکن خدا نے میرے باپ کے ذریعہ تمھیں ان تمام مصیبتوں سے بچا لیا۔

خیر اِن تمام باتوں کے بعد بھی جب عرب کے نامور سرکش بہادر اور اہلِ کتاب کے باغی افراد نے جنگ کی آگ بھڑکائی تو خدا نے اسے بُجھا دیا یا شیطان نے سینگ نکالی یا مشرکوں نے منہ کھولا تو میرے باپ نے اپنے بھائی کو ان کے حلق میں ڈال دیا، وہ اس وقت تک نہیں پلٹے جب تک ان کے کانوں کو کچل نہیں دیا اور ان کے شعلوں کو آبِ شمشیر سے بُجھا نہیں دیا۔ وہ اللہ کے معاملہ میں زحمت کش اور جد و جہد کرنے والے تھے اور تم عیش کی زندگی آرام سکون چین کے ساتھ گزار رہے تھے، ہماری مصیبتوں کے منتظر اور ہماری خبر بد کے خواہاں تھے۔ تم لڑائی سے منہ موڑتے تھے اور میدانِ جنگ سے بھاگ جاتے تھے۔ پھر جب اللہ نے اپنے نبی کے لیے انبیا کے گھر اور اصفیا کی منزل کو پسند کر لیا تو تم میں نفاق کی روشنی ظاہر ہو گئی، چادرِ دین کہنہ ہو گئی، گمراہ بولا

کا منادی بولنے لگا۔ گمنام منظرِ عام پر آگئے، اہلِ باطل کے دودھ کی دھاریں بہہ بہہ کر تمھارے صحن میں آگئیں، شیطان نے سر نکال کر تمھیں آواز دی تو تمھیں اپنی دعوت کا قبول کرنے والا اور اپنی بارگاہ میں عزت کا طالب پایا یا تمھیں اُٹھایا تو تم ہلکے دکھائی دیے، بھڑکایا تو غصہ ور ثابت ہوئے۔ تم نے دوسرے کے اونٹ پر نشان لگا دیا اور دوسرے کے چشمہ پر وارد ہو گئے حالانکہ ابھی زمانہ قریب کا ہے اور زخم کشادہ ہے جراحت مندمل نہیں ہوئی اور رسولؐ قبر میں سو بھی نہیں سکے۔ یہ جلدی تم نے فتنہ کے خوف سے کی حالانکہ فتنہ ہی میں گرے اور جہنم تو تمام کفار کو محیط ہے۔

افسوس تم پر تمھیں کیا ہو گیا ہے، تم کہاں جا رہے ہو؟ تمھارے درمیان کتابِ خدا موجود ہے جس کے امور واضح، علائم روشن، ممانعت تابندہ، اوامر نمایاں ہیں تم نے اسے پس پشت ڈال دیا۔ کیا اس سے انحراف کے خواہاں ہو؟ یا کوئی دوسرا حکم ہے تو بہت برا بدل ہے اور جو غیر اسلام کو دین بنائے گا اس سے وہ قبول بھی نہ ہوگا اور آخرت میں خسارہ بھی ہوگا۔

اس کے بعد تم نے صرف اتنا انتظار کیا کہ اس کی نفرت ساکن اور مہار ڈھیلی ہو جائے پھر آتشِ جنگ کو روشن کر کے شعلوں کو بھڑکانے لگے۔ شیطان کی آواز پر لبیک کہنے اور دین کے انوار کو خاموش کرنے اور سنت پیغمبرؐ کو برباد کرنے کی کوشش شروع کر دی، بالائی جاد میں اپنی سیری سمجھتے ہو اور رسولؐ کے اہل و اہلبیتؑ کے لیے پوشیدہ ضرر رسانی کرتے ہو، ہم تمھارے حرکات پر یوں صبر کرتے ہیں جیسے چھری کی کاٹ اور نیزے کے زخم پر۔ تمھارا خیال ہے کہ میرا میراث میں حق نہیں۔ کیا جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہو، جب کہ ایمان والوں کے لیے اللہ سے بہتر کوئی حاکم نہیں ہے۔

تمھارے لیے مہرِ نیمروز کی طرح روشن ہے کہ میں اسی نبیؐ کی بیٹیؑ ہوں۔ اے ابوبکرؓ! کیا مجھے ان کی میراث نہ ملے گی؟ کیا قرآن میں یہی ہے کہ تو اپنے باپ کا وارث بنے اور میں اپنے باپ کی وارث نہ بنوں۔ یہ کیسا افترا ہے؟ کیا تم نے قصداً کتابِ خدا کو پس پشت ڈال دیا ہے جب کہ اس میں سلیمان کے وارث داؤد ہونے کا ذکر ہے اور حضرت زکریا کی یہ دعا ہے کہ خدایا مجھے ایسا ولی دے جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو اور یہ اعلان ہے کہ قرابت دار بعض بعض سے اولیٰ ہیں اور یہ ارشاد ہے کہ خدا اولاد کے بارے میں تم کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ لڑکے کو لڑکی کا دوگنا ملے اور یہ تعلیم ہے کہ مرنے والا اپنے والدین اور اقربا کے لیے وصیت کرے یہ متقین کی ذمہ داری ہے۔ اور تمھارا

خیال ہے کہ نہ میرا کوئی حق ہے نہ میرے باپ کی میراث ہے نہ میری کوئی قرابت داری ہے۔ کیا تم پر کوئی خاص آیت آئی ہے جس میں میرا باپ شامل نہیں ہے؟ یا تمھارا کہنا یہ ہے کہ میں اپنے باپ کے مذہب سے الگ ہوں اس لیے وارث نہیں۔ کیا تم عام و خاص قرآن کو میرے باپ اور میرے ابن عم سے زیادہ جانتے ہو۔ خیر ہوشیار ہو جاؤ! آج تمھارے سامنے وہ ستم رسیدہ ہے جو کل تم سے قیامت میں ملے گی جب اللہ حاکم، محمدؐ طالبِ حق ہوں گے موعد قیامت کا ہوگا۔ ندامت کام نہ آئے گی اور ہر چیز کا اک وقت مقرر ہے۔ عنقریب تمھیں معلوم ہوگا کہ کس کے پاس رسوا کن عذاب آتا ہے اور کس پر مصیبت نازل ہوتی ہے۔

(اس کے بعد آپ انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا) اے جواں مرد گروہ ملت کے قوت بازو! اسلام کے انصار! یہ میرے حق میں چشم پوشی اور میری ہمدردی سے غفلت کیسی ہے؟ کیا وہ رسولؐ میرے باپ نہ تھے جنھوں نے یہ کہا تھا کہ انسان کا تحفظ اس کی اولاد میں ہوتا ہے۔ تم نے بہت جلدی خوف زدہ ہو کر یہ اقدام کیا حالانکہ تم میں وہ حق والوں کی طاقت تھی جس کے لیے میں حیران و پریشان ہوں۔ کیا تمھارا یہ بہانہ کہ رسولؐ کا انتقال ہو گیا تو بہت بڑا حادثہ رونما ہوا جس کا رخنہ وسیع، شگاف کشادہ۔ اتصال شگافتہ ہے، زمین ان کی غیبت سے تاریک، ستارے بے نور، امیدیں ساکن، پہاڑ سرنگوں، حریم زائل اور حرمت برباد ہو گئی ہے۔ یقیناً یہ بہت بڑا حادثہ اور بڑی عظیم مصیبت ہے، نہ ایسا کوئی حادثہ ہے اور نہ سانحہ۔ خود قرآن نے تمھارے گھروں میں صبح و شام بہ آوازِ بلند تلاوت و الحاق کے ساتھ اعلان کر دیا تھا کہ اس کے پہلے جو کچھ دوسرے انبیاء پر گزرا وہ اٹل حکم اور حتمی قضا تھی اور یہ بھی ایک رسول ہیں جنھیں موت آئے گی تو کیا تم ان کے بعد اُلٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ ظاہر ہے کہ اس سے اللہ کا کوئی نقصان نہ ہوگا، اور وہ اہلِ شکر کو جزا دے کے رہے گا۔

ہاں اے انصار! کیا تمھارے دیکھتے سنتے اور تمھارے مجمع میں میری میراث ہضم ہو جائے گی؟ تم تک میری آواز بھی پہونچی تم باخبر بھی ہو۔ تمھارے پاس اشخاص، اسباب، آلات، قوت، اسلحہ اور سپر سب کچھ موجود ہے۔ لیکن تم نہ میری آواز پر لبیک کہتے ہو، اور نہ میری فریاد کو پہنچتے ہو، تم تو مجاہد مشہور رہو، خیر و صلاح کے ساتھ معروف ہو، منتخب روزگار اور سرآمد زمانہ ہو۔ تم نے عرب

سے جنگ میں رنج و تعب اُٹھایا ہے، امتوں سے ٹکرائے ہو، لشکروں کا مقابلہ کیا ہے۔ ابھی ہم دونوں اسی جگہ ہیں جہاں ہم حکم دیتے تھے اور تم مانتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے دم سے اسلام کی چکّی چلنے لگی۔ زمانہ کا دودھ نکال لیا گیا، شرک کے نعرے پست ہوئے، افترا کے فوارے دب گئے، کفر کی آگ بجھ گئی، فتنہ کی دعوت خاموش ہوگئی، دین کا نظام مستحکم ہوگیا، تو اب تم اس وضاحت کے بعد کہاں چلے اور اس اعلان کے بعد کیوں پردہ پوشی کی؟ آگے بڑھ کے قدم کیوں پیچھے ہٹائے؟ ایمان کے بعد کیوں مشرک ہوئے جاتے ہو؟ کیا اس قوم سے جنگ نہ کروگے جس نے اپنے عہد کو توڑا اور رسولؐ کو نکالنے کی فکر کی۔ اور پہلے تم سے مقابلہ کیا۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو جب کہ خوف کا مستحق صرف خدا ہے۔ اگر تم ایمان دار ہو۔ خبردار! میں دیکھ رہی ہوں کہ تم دائمی پستی میں گر گئے اور تم نے بست وکشاد کے صحیح حق دار کو دور کر دیا، آرام طلب ہوگئے اور تنگی سے وسعت میں آگئے۔ جو سنا تھا اسے پھینک دیا اور جو بادلِ نخواستہ نگل لیا تھا اسے اُگل دیا۔ خیر تم کیا اگر ساری دنیا بھی کافر ہوجائے تو اللہ کو کسی کی پرواہ نہیں ہے۔

خیر مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکی، تمھاری بے رُخی اور بے وفائی کو جانتے ہوئے جس کو تم لوگوں نے شعار بنا لیا ہے۔ لیکن یہ تو ایک دل گرفتگی کا نتیجہ اور غضب کا اظہار ہے، ٹوٹے ہوئے دل کی آواز ہے، اک اتمام حُجّت ہے، چاہو تو اسے ذخیرہ کر لو۔ مگر یہ پیٹھ کا زخم ہے، پیروں کا گھاؤ ہے، ذلّت کی بقا اور غضبِ خدا اور ملامتِ دائمی سے موسوم ہے اور اللہ کی اس بھڑکتی آگ سے متصل جو دلوں پر روشن ہوتی ہے خدا تمھارے کرتوت دیکھ رہا ہے اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہوگا کہ وہ کیسے پلٹائے جائیں گے۔ میں تمھارے اس رسولؐ کی بیٹی ہوں جس نے عذابِ شدید سے ڈرایا ہے، اب تم بھی عمل کر دیں بھی عمل کرتی ہوں، تم بھی انتظار کرو اور میں بھی وقت کا انتظار کر رہی ہوں۔

حدیث کساء

حدیث کساء وہ بابرکت تذکرہ ہے جو حدیث بھی ہے اور بیان واقعہ بھی، باعثِ برکت بھی ہے اور موجبِ رحمت بھی۔ بیان فضائل بھی ہے اور سبب سعادت بھی۔ صاحبان ایمان میں کون سا انسان ہے جو اس حدیث مبارک کے الفاظ یا مفاہیم سے باخبر نہ ہو، بیماروں کو شفا دینے والی یہی حدیث ہے، حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنے کا ذریعہ یہی حدیث ہے، مشکلات میں گرفتار بے سہارا افراد کو سہارا دینے والی یہی حدیث ہے۔ جیسا کہ خود اس کے اندر بھی اس حقیقت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اس کی تلاوت سے رحمتِ خدا نازل ہوتی ہے اور ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور محوِ استغفار ہوجاتے ہیں۔ صاحب بصیرت کے سامنے پڑھی جائے تو کشائش حال حاصل ہوتی ہے، صاحبِ حاجت کے سامنے تلاوت کی جائے تو حاجتیں پوری ہوتی ہیں، اور سیکڑوں سال سے صاحبانِ ایمان اس کے برکات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کیوں نہ ہوتا۔ تذکرہ صاحبان عصمت وطہارت کا ہے، بیان صدیقہ طاہرہؑ کا ہے، تفسیر قرآن حکیم کی ہے، واقعہ انوار الٰہی کے اجتماع کا ہے، حیرت وحسرت ساکنانِ عرش کی ہے اور عظمت وفضیلت خیر البشر اور ان کی ذرّیت طیبہ کی ہے، پھر ان خصوصیات کے ہوتے ہوئے برکت وسعادت و رحمت کا نزول نہ ہوگا تو کب ہوگا۔

سند کے اعتبار سے حدیث کساء نہایت درجہ معتبر ہے جس کی سند کو بحرین کے جلیل القدر عالم الشیخ عبداللہ البحرانی نے اپنی کتاب عوالم میں نقل کیا ہے اور اسے شیخ جلیل السید ہاشم البحرانی کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا ہے۔ انھوں نے اپنے شیخ المحدیث السید ماجد بحرانیؒ، انھوں نے اپنے شیخ حسن بن زین الدینؒ، انھوں نے اپنے شیخ مقدس اردبیلیؒ، انھوں نے اپنے شیخ علی بن عبد العالی الکرکیؒ، انھوں نے علی بن ہلال الجزائری، انھوں نے احمد بن فہد الحلیؒ، انھوں نے علی بن خازن الحائریؒ، انھوں نے شیخ ضیاء الدین علی بن الشہید الاوّلؒ، انھوں نے شہید اولؒ، انھوں نے فخر المحققینؒ، انھوں نے

اپنے پدر بزرگوار علامہ حلیؒ، انھوں نے اپنے بزرگ محقق حلیؒ، انھوں نے اپنے بزرگ ابن نما حلیؒ، انھوں نے اپنے شیخ محمد بن ادریس حلیؒ، انھوں نے ابن حمزہ طوسیؒ صاحب ثاقب المناقب انھوں نے علامہ محمد بن شہر آشوبؒ، انھوں نے علامہ طبرسیؒ صاحب احتجاج، انھوں نے شیخ جلیل حسن بن محمد بن الحسن الطوسی، انھوں نے اپنے پدر بزرگوار شیخ الطائفہؒ، انھوں نے اپنے استاد شیخ مفیدؒ، انھوں نے اپنے شیخ ابن قولویہ قمیؒ، انھوں نے شیخ کلینیؒ، انھوں نے علی بن ابراہیمؒ، انھوں نے ابراہیم بن ہاشم، انھوں نے احمد بن محمد بن ابی نصر البزنطیؒ، انھوں نے قاسم بن یحییٰ الجلا الکوفی، انھوں نے ابو بصیرؒ، انھوں نے ابان بن تغلبؒ، انھوں نے جابر بن یزید اور انھوں نے جابر بن عبداللہ الانصاریؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے صدیقہ طاہرہؑ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ . . . .

بعض حضرات نے اس سند سے ناواقفیت کی بنا پر روایت کے آغاز میں لفظ رُوِیَ عن فاطمۃ الزہراء دیکھ کر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے، اس کا راوی معلوم نہیں ہے اور کسی مجہول صیغہ سے شروع ہونے والی روایت کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ رُوِیَ بطور اختصار یا بطور احترام استعمال ہوا ہے ورنہ روایت کی ایک مسلسل سند موجود ہے اور اس میں ایک سے ایک جلیل القدر، مستند اور معتبر عالم کا نام آتا ہے جس کے بعد کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔

اس حدیث کا ایک نسخہ علامہ الشیخ محمد تقی بن محمد باقر یزدی بافقی نے اپنے رسالہ میں درج کیا ہے جس کو انھوں نے عوالم سے براہ راست نقل کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث کتاب عوالم میں موجود ہے جس کی ۷۰ سے زیادہ جلدیں ہیں اور یزد میں حجۃ الاسلام آقای مرزا سلیمان کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ گیارہویں جلد صدیقہ طاہرہؑ کے حالات میں ہے اور اسی میں یہ حدیث شریف پائی جاتی ہے۔

علامہ الشیخ محمد الصدوقی الیزدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک عوالم کے حاشیہ پر درج کی گئی ہے۔ لیکن اصل کتاب میں بہرحال موجود ہے۔

دوسرا نسخہ علامہ جلیل الشیخ فخر الدین محمد الطریحی صاحب مجمع البحرین کا ہے جو عام طور سے ہمارے ملکوں میں رائج ہے اور دونوں میں اس جہت سے نمایاں فرق ہے کہ اس نسخہ میں سلام

کے ساتھ جواب درج نہیں ہے جب کہ عوالم کے نسخہ میں سلام اور جواب سلام دونوں موجود ہیں۔

اس کے علاوہ عوالم کے نسخہ میں کچھ اور بھی اضافات ہیں جن کا ذکر منتخب طریحی کے نسخہ میں نہیں ہے۔

علامہ دیلمیؒ نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب الغرر و الدرر میں نقل کیا ہے اور علامہ الشیخ محمد جواد الرازی نے بھی اس کا تذکرہ اپنی کتاب نور الآفاق میں کیا ہے اور ان کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدیث عوالم کی گیارہویں جلد میں بھی ہے اور تیرہویں جلد میں بھی ہے۔

بہرحال عبارتوں کے اختلاف کے سلسلہ میں چند خصوصیات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے تاکہ صاحبانِ تحقیق ان نکات سے استفادہ کرسکیں اور مومنین کو اپنے افادات سے مستفید کرسکیں۔

۱۔ عوالم کے نسخہ میں پیغمبر اکرمؐ کی طرف سے ہر چادر میں آنے والے کے سلام کا جواب بھی مذکور ہے جو قوانینِ اسلام کے عین مطابق ہے۔ اور جن نسخوں میں جواب سلام نہیں ہے ان کی بنا صرف اختصار پر ہے، یا ان علماء نے اس سلام کو سلام تحیہ نہیں قرار دیا ہے جس کا جواب واجب ہوتا ہے۔

۲۔ عوالم کے نسخہ میں سرکار دو عالمؐ نے ہر سلام کا جواب دیتے ہوئے بحسب قوانین اسلام بعض اضافات بھی فرمائے ہیں۔ مثلاً امام حسنؑ کے لیے "ولدی وصاحب حوضی امام حسینؑ کے لیے "ولدی وشافع امتی" کہا ہے۔ امیر المومنینؑ کو "خلیفتی وصاحب لوائی" فرمایا ہے، جن خصوصیات پر صاحبانِ معرفت بہترین روشنی ڈال سکتے ہیں۔

۳۔ عوالم کے نسخہ میں سب کے اجتماع کے بعد سرکار دو عالمؐ کے یہ فقرات بھی درج ہیں کہ:

"پروردگارا! یہ میرے اہلبیتؑ اور مخصوصین ہیں۔ ان کا گوشت میرا گوشت ہے، ان کا خون میرا خون ہے، جو انھیں تکلیف پہونچاتا ہے اس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے، اور جو انھیں رنج دیتا ہے اس سے میں رنجیدہ ہوجاتا ہوں، جو ان سے جنگ کرتا ہے اس سے میری جنگ ہے، اور جو ان سے صلح کرتا ہے اس سے میری صلح ہے، جو ان کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے، اور جو ان کا دوست ہے وہ میرا دوست ہے، یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ پروردگارا! اپنی صلوات و رحمت و برکت و مغفرت و رضا میرے اور ان کے شامل حال کردے، اور ان سے ہر رجس کو دور رکھ اور ان کی طہارت کا اعلان فرمادے۔"

یہ الفاظ عام رائج نسخہ میں نہیں ہیں جب کہ ان میں فضائل و کمالات کا ایک پورا سلسلہ پایا جاتا ہے۔

۴۔ عوالم کے نسخہ میں "فلثاً" کے ساتھ "تسری" مذکور ہے جب کہ رائج نسخہ میں یسری اور تسری دونوں نقل کیے جاتے ہیں۔ لفظ ثُلث واحد بھی ہے اور جمع بھی ہے۔

۵۔ آخر حدیث میں عوالم کے نسخہ میں پیغمبر اکرمؐ کے دونوں بیانات کے بعد "وَربّ الکعبۃ" کا ذکر ہے، جب کہ رائج نسخہ میں یہ کلمہ ایک ہی مرتبہ ذکر ہوا ہے۔

حدیث کسا میں معنوی اعتبار سے فضائل آل محمدؐ کے ایسے گوشے پائے جاتے ہیں کہ انسان ان کی معنویت پر غور کرتا رہے اور وجد کرتا رہے اور کلام معصومہ کی بلاغت پر جھومتا رہے۔ اس حقیقت کے بعض گوشوں کی طرف ابتدا میں اشارہ کیا جا چکا ہے اور بعض کی طرف اب اشارہ کیا جا رہا ہے:

مرسلِ اعظمؐ نے بیماری کا ذکر نہیں کیا بلکہ ضعف کا ذکر کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ ضعف کا علاج بیماری کے علاج سے مختلف ہوا کرتا ہے۔

مرسلِ اعظمؐ کے ضعف کا تعلق بدن سے ہے جسم سے نہیں ہے اور اس میں ایک بلیغ فرق پایا جاتا ہے کہ جسم میں سر شامل ہوتا ہے۔ لیکن بدن سر کے علاوہ باقی جسم ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ ضعف کا تعلق سر اور دماغ سے نہیں ہو سکتا ہے۔

اہلبیتؑ کو نبوت کے لیے اہل بیت اور رسالت کے لیے معدن قرار دیا گیا ہے جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ نبی کے اہلبیت نہیں ہیں بلکہ نبوت کے گھر والے ہیں، اور پیغام الٰہی ہم کو انھیں کے ذریعہ حاصل ہوگا

اجتماع میں شیعہ اور محب دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں جن کا فرق عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے خوب واضح ہو جاتا ہے۔

کامیابی کے اعلان میں ربِ کعبہ کی قسم کا ذکر کیا گیا ہے، جس کی مثال مولائے کائنات کے آخری لمحات میں بھی پائی جاتی ہے۔

آخر کلام میں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ "اذا وجهه يتلالأ" میں لفظ اِذا ہے اِذاً نہیں ہے۔ اِذا کا استعمال حدیث کے بالکل آخر میں ہوا ہے جس کے فرق کو صاحبان معرفت و ادب باقاعدہ طور پر محسوس کر سکتے ہیں۔

اللّٰهم اجعلنا منهم واحشرنا مع محمد وآله الطاهرين۔

آیتِ تطہیر

صاحبانِ انصاف کے لیے اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آیتِ تطہیر اہلبیت اطہارؑ (پنجتن پاک) کی شان میں ان کی طہارت و عصمت کے اعلان کے لیے نازل ہوئی ہے، اور آیتِ کریمہ میں ان حضرات خمسۂ نجبا کے علاوہ کسی دوسری فرد کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کا تعلق نہ ازواجِ پیغمبرؐ سے ہے اور نہ اصحابِ رسولؐ سے ـــ علمائے شیعہ اور علمائے اہل سنّت دونوں اس حقیقت پر متفق ہیں اور بعض متعصبین کے علاوہ کوئی اس حقیقت کا منکر نہیں ہے بلکہ بعض علمائے اہل سنت نے تو اس آیت کے ذیل میں ایسے حقائق و معارف کا تذکرہ کیا ہے کہ آنکھیں کھل جاتی ہیں اور یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ عرفانِ حق کسی فرد یا جماعت کی میراث نہیں ہے اللہ جسے بھی توفیق دیدے اور انصاف جس کے بھی شاملِ حال ہو جائے، وہ حقائق سے باخبر ہو سکتا ہے اور پھر ان معارف کی نشان دہی کر سکتا ہے۔

ذیل میں علمائے اسلام کے انھیں جلیل القدر علماء میں سے دو ایک کے افادات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

بیسویں صدی کے عظیم محققین میں ایک شخصیت علّامہ السید علوی الحداد العلوی الحضرمی الجاوی الشافعی کی ہے جنھوں نے ایک عظیم کتاب "القول الفصل فيما لبني هاشم وقريش من الفضل" تحریر کی ہے اور اس میں فضائل اہل بیتؑ کے ایسے ایسے گوشے بیان کیے ہیں کہ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے اور اس کے بعد عالم اسلام میں ہونے والی بددیانتی، ناانصافی اور بے دینی کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ علمائے اسلام نے کس طرح روایات کو اپنی مرضی کے مطابق معتبر و غیر معتبر قرار دیا ہے اور کس طرح فضائل اہل بیتؑ کی پردہ پوشی کی ناکام کوشش کی ہے۔

علامہ موصوف اپنی کتاب کے جلد دوم ص ۱۹۲ پر بعض متعصب افراد کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث کسا، بالکل صحیح ہے اور نزولِ آیتِ تطہیر کا تذکرہ صحیح مسلم، صحیح ترمذی، مسند احمد، مستدرک حاکم، سنن بیہقی میں پایا جاتا ہے اور ابن حبان، صاحب معجم کبیر، طبری، نسائی، تفسیر ابن کثیر،

ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، خطیب، ابن ابی شیبہ، طیالسی وغیرہ نے بھی اس حدیث کا استخراج کیا ہے۔

اس کو صحیح قرار دینے والوں میں مسلم، ابن ابی حاتم، صالح بن محمد اسدی، ابن شاہین، حافظ احمد بن صالح مصری، حاکم، بیہقی، حافظ ابن حجر، ابن عبد البر، ابن تیمیہ، سخاوی، قسطلانی، کمال، زرقانی، سمہودی، شوکانی جیسے جلیل القدر علماء اہلسنت ہیں اور علماء شیعہ میں تو سبھی نے اسے صحیح اور معتبر قرار دیا ہے، جس کے بعد کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اس کے روایت کرنے والوں میں پندرہ اصحاب رسولؐ بھی ہیں حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ، حضرت عبد اللہ بن جعفر، ابن عباس، ام سلمہ، عائشہ، سعد بن ابی وقاص، انس بن مالک، ابو سعید الخدری، ابن مسعود، معقل بن یسار، واثلہ بن اسقع، عمرو بن ابی سلمہ، ابو الحمراء وغیرہ۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے آیت کی دلالت اور اس کے مفہوم پر روشنی ڈالتے ہوئے بعض علماء شافعیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت شریفہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہلبیت اطہار سرچشمۂ فضائل و کمالات ہیں، اور ان کے علاوہ جہاں بھی کوئی کمال پایا جاتا ہے سب انھیں کا صدقہ اور طفیل ہے جس طرح کہ غلام آقا کے ساتھ شریک منزل رہتا ہے۔ یہ حضرات پیغمبر اسلامؐ کے خواص، وارث، خلیفہ اور قرآن کے ہمسر و ہم زبان ہیں۔ ان کے فضائل میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔ ان کا جیسا شرف نہ آل عباس کو حاصل ہوا ہے اور نہ آل جعفر کو۔ بلکہ حد یہ ہے کہ اولاد علیؑ میں بھی اولاد فاطمہؑ کے علاوہ کسی کو یہ شرف و کمال حاصل نہیں ہوا ہے۔ اسی لیے علامہ بیہقی نے جب واثلہ بن اسقع کے بارے میں روایت نقل کی کہ "انت من اہلی" تو اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ واثلہ کو اہلبیتؑ سے ملایا گیا ہے جو خود اہلبیتؑ کے کمال شرف و فضل کی بہترین دلیل ہے۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے علامہ سمہودی کے حوالہ سے آیت کے معنی و مفہوم کے بارے میں ایک طویل تحقیق درج کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں تقریباً پندرہ خصوصیات پائے جاتے ہیں، اور ہر خصوصیت عظمت و فضیلت اہلبیتؑ کی ایک مستقل دلیل ہے۔

۱۔ آیت کا آغاز لفظ انما سے ہوا ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ نے اپنے ارادہ کو ان کی

طہارت میں منحصر کر دیا ہے اور یہ ان کے سرچشمۂ خیرات و برکات ہونے کی بہترین دلیل ہے۔

۲۔ پروردگار عالم نے یہ اہتمام صرف انھیں کے فضائل کے بیان کے لیے کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ اہتمام کسی اور مقام پر نظر نہیں آتا ہے۔

۳۔ مصدر تطہیر کا ذکر کر کے بات میں مزید زور پیدا کر دیا گیا ہے۔

۴۔ "تطہیراً" کو نکرہ استعمال کر کے یہ اظہار کیا گیا ہے کہ یہ طہارت ایک خاص اور عظیم قسم کی طہارت ہے جس کا قیاس عام طہارتوں پر نہیں کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ پیغمبرؐ کا ان حضرات کو اہلبیتؑ کہہ کر دعائے تطہیر کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ارادۂ الٰہی کے ساتھ مدعائے پیغمبرؐ بھی کام کر رہا ہے اور سب کو فضائل اہلبیتؑ کے نشر کرنے کی فکر ہے۔

۶۔ ابو سعید خدری کی روایت کی بنا پر آیت میں خود پیغمبر اکرمؐ بھی شامل ہیں جو اہلبیتؑ کی عظمت کی مزید دلیل ہے۔

۷۔ حضورؐ نے اہلبیتؑ کے حق میں برکات و رحمت و صلوات و مغفرت کی دعا کی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہی حضرات صاحبان تطہیر ہیں ورنہ صاحبان تطہیر کے علاوہ کوئی ان دعاؤں کا حق دار نہیں ہو سکتا ہے۔

۸۔ پیغمبرؐ نے ہر دعا میں اپنے کو بھی شامل رکھا ہے تاکہ اس سے اہلبیتؑ کی مساوات شرف کا بھی اندازہ ہو جائے۔

۹۔ حضورؐ نے مقام دعا میں جناب ابراہیمؑ پر نزول رحمت کا بھی ذکر کیا ہے جو اہلبیتؑ کے وارث ابراہیمؑ اور ہم رتبۂ ابراہیمؑ ہونے کی دلیل ہے۔

۱۰۔ حضورؐ کا صلوات کے لیے دعا کرنا دلیل ہے کہ اہلبیتؑ مستحق صلوات ہیں اس لیے کہ پیغمبرؐ کی دعا رد نہیں ہوتی ہے۔

۱۱۔ "انھم منی وانا منھم" ایک اشارہ ہے کہ اہلبیتؑ جملہ مراتب فضل و کمال میں سرکار دو عالمؐ کے شریک ہیں۔

۱۲۔ ارادۂ تطہیر و اذہاب رجس ایک مستقل دلیل ہے کہ اہلبیتؑ آخرت میں بھی آتش جہنم سے مکمل طور پر محفوظ ہیں۔

۱۳۔ روزانہ صبح کو دروازۂ زہراؑ پر آکر سلام کرنا ایک اشارہ ہے کہ جن کا مرتبہ بلند تر ہوتا ہے ان کا کردار بھی بلند تر ہونا چاہیے اور اہلبیتؑ ایسے ہی ہیں۔

۱۴۔ حدیث میں سرکارؐ کا اپنے بارے میں یہ فرمانا کہ اللہ نے مجھے بہترین گھرانے میں رکھا ہے خود اہلبیتؑ کے بہترین افراد ہونے کی دلیل ہے۔

۱۵۔ آپ نے طہارت اور مساواتِ کمال کا اعلان کرکے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اہلبیتؑ پر صدقہ حرام ہے اس لیے کہ صدقہ ہاتھوں کا میل اور ایک طرح کا کثیف مال ہوتا ہے جو اہلِ تطہیر کے شایانِ شان نہیں ہے۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے بعض محققین کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اگرچہ اہلبیت میں گھر اور گھرانے والے سبھی شامل ہو جاتے ہیں لیکن عام اطلاق کے موقع پر رہائشی گھر والے شمار نہیں ہوتے ہیں بلکہ صرف گھرانے والے ہی شمار ہوتے ہیں جو ہمیشہ گھرانے کے ساتھ رہتے ہیں رہائشی گھر والے تو کسی وقت بھی گھر سے جدا ہو سکتے ہیں۔ زوجہ طلاق کے بعد اپنے گھر یا دوسرے شوہر کے گھر چلی جاتی ہے اور اس کے گھر والوں میں شامل ہو جاتی ہے لہٰذا وہ اہلبیت میں شامل نہیں ہو سکتی ہے۔

قرآن مجید نے ازواج کو یانساءالنبی کہہ کر خطاب کیا ہے یعنی نبی کی طرف نسبت دی ہے اور اہلبیتؑ کی کوئی نسبت نہیں بیان کی ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اہلبیت اور ہیں اور ازواج اور۔ ازواج میں حضورؐ شامل نہیں ہیں اور اہلبیتؑ میں حضورؐ نے اپنے کو بھی شامل کیا ہے۔

آیتِ تطہیر میں لفظ بیت واحد ہے اور ازواج اہلبیت نہیں ہیں بلکہ "اہل بیوت" یعنی مختلف گھر والی ہیں۔ پھر بیت پر بھی الف لام داخل کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی خاص گھر ہے۔ جناب ام سلمہ کو علیٰ خیر کہہ کر چادر سے دور رکھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آیتِ تطہیر میں ازواج کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ صرف پنجتن پاکؑ کی عظمت و عصمت و طہارت و جلالت کے اعلان کے لیے نازل ہوئی ہے۔

اصحابِ کساء

خدا بُرا کرے تعصب، حسد اور اہلبیتؑ دشمنی کا کہ اسلام کی کوئی مسلّمہ حقیقت مسلّم نہ رہنے پائی اور ہر جگہ حکومت کے نمک خواروں نے کوئی نہ کوئی شبہ پیدا کر دیا۔ آیتِ تطہیر اہلبیت اطہارؑ کی شان میں ہے اور اہلبیت سے مراد حضرات خمسہ نجباءؑ ہیں کون نہیں جانتا ہے۔ لیکن دورِ قدیم و جدید میں ایسے افراد بہر حال پیدا ہوتے رہے ہیں جن کا کام ہی حقائق میں تشکیک کرنا اور مسلّماتِ اسلام کو شبہات کی نذر کر دینا ہے۔ انھوں نے آیت کے قبل و بعد کا سہارا لے کر اسے ازواجِ پیغمبرِ اسلامؐ سے مربوط کرنا چاہا ہے اور ضمناً یہ اعتراف بھی کرتے رہے ہیں کہ اہلبیتؑ کا دائرہ ازواج سے زیادہ وسیع ہے اور اس میں حضرات علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کی بھی گنجائش ہے۔ کہ جس کے بعد ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جس نے اس گنجائش کو بھی ختم کر دیا اور اپنے خیالِ خام میں دلائل قائم کر دیے کہ اہلبیتؑ کا اطلاق حضرات معصومینؑ پر نہیں ہو سکتا ہے، اس سے مراد صرف ازواجِ پیغمبرؐ ہیں۔ اور پھر دو ایک روایتیں بھی تیار کر دیں جن میں راویوں نے اہلبیتؑ کو ازواج سے وابستہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے مقابلہ میں ان تمام احادیث کو نظر انداز کر دیا ہے جن میں اہلبیت کی مکمل وضاحت موجود تھی اور حضرات معصومینؑ کے اسماء گرامی درج تھے اور جس کے بعد کسی شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ بلکہ جناب ام سلمہ کا روک دینا دلیل تھا کہ اس میں ازواج شریک نہیں ہیں۔ بہر حال یہ زمانہ کا ایک کرشمہ ہے کہ جس زوجہ پیغمبرؐ نے داخل ہونے کی کوشش کی اسے سرکارِ دو عالمؐ نے روک دیا اور جس کا اس موقع پر پتہ اور نشان بھی نہیں تھا اسے ازغیب آیت میں شامل کر دیا گیا۔

اس وقت بطور حاصلِ مطالعہ امام احمد بن حنبل اور ان کے زمانہ یا بعد کے مستند علماءِ اہلسنت کے حوالے ذکر کیے جا رہے ہیں جنھوں نے نام بنام حضرات علیؑ و فاطمہؑ اور امام حسنؑ و امام حسینؑ کی

شان میں آیتِ کریمہ کے نزول کا ذکر کیا ہے اور جس کے بعد کسی تشکیک اور تردید کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے :

۱۔ حافظ ابو داؤد الطیالسی سلیمان بن داؤد بن الجارود البصری صاحب کتاب مسند ج ۸ ص ۲۷۴ طبع حیدرآباد
۲۔ علامہ حافظ ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی صاحب مسند ج ۱ ص ۳۳۱ طبع قاہرہ
۳۔ حافظ محمد بن عیسیٰ ترمذی صاحب صحیح ترمذی حسب نقل ابن حجر
۴۔ حافظ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کوفی صاحب مسند بحوالہ فلک النجاۃ ص ۴۲
۵۔ علامہ ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی صاحب خصائص ص ۴
۶۔ حافظ محمد بن جریر طبری صاحب تفسیر ج ۲۲ ص ۵ طبع مصر
۷۔ حافظ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد الرازی بحوالہ فلک النجاۃ
۸۔ سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی صاحب معجم بحوالہ صواعق
۹۔ علامہ جصاص صاحب احکام القرآن
۱۰۔ حافظ حاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری صاحب مستدرک ج ۲ ص ۴۱۶، ۳ ص ۱۲۶، ۳ ص ۱۵۹، ۳ ص ۱۴۲
۱۱۔ علامہ محدث احمد بن الحسین بن ہارون المؤید باللہ صاحب کتاب امالی ص ۲۳
۱۲۔ حافظ احمد بن الحسین بن علی البیہقی صاحب سنن کبریٰ ج ۲ ص ۱۴۹
۱۳۔ علامہ حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی صاحب تاریخ بغداد ج ۱۰
۱۴۔ علامہ حافظ ابو عمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر الاندلسی صاحب استیعاب ج ۲ ص ۴۶۰
۱۵۔ علامہ محدث الشیخ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری صاحب کتاب اسباب النزول ص ۲۶۷
۱۶۔ حافظ دیلمی صاحب کتاب فردوس بحوالہ صواعق
۱۷۔ حافظ حسین بن مسعود الشافعی البغوی صاحب مصابیح السنہ ج ۲ ص ۲۰۴
۱۸۔ علامہ محمود بن عمر الزمخشری صاحب کشاف ج ۱ ص ۱۹۳
۱۹۔ علامہ قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الاشبیلی صاحب احکام القرآن ج ۲ ص ۱۶۶
۲۰۔ ابوالمؤید موفق بن احمد اخطب خطباء خوارزم صاحب مناقب ص ۳۵
۲۱۔ علامہ علی بن الحسین بن ہبۃ اللہ دمشقی المعروف بابن عساکر صاحب تاریخ دمشق

۲۲۔ علامہ فخرالدین الرازی صاحب تفسیر معروف
۲۳۔ ابوالسعادات مبارک بن محمد بن اثیر الجزری صاحب جامع الاصول ج ۱ ص ۱۰۱
۲۴۔ علامہ محدث الشیخ حسن بن الحسین بن علی بن محمد بن بطریق الاسدی صاحب کتاب نہج العلوم
۲۵۔ علامہ الشیخ عزالدین ابوالحسن علی بن اثیر الجزری صاحب اسدالغابہ
۲۶۔ علامہ یوسف الواعظ بن عبداللہ المشتہر بابن الجوزی صاحب تذکرۃ خواص الامۃ
۲۷۔ علامہ گنجی شافعی صاحب کفایۃ الطالب
۲۸۔ علامہ کمال الدین محمد بن طلحہ الشافعی صاحب مطالب السؤل
۲۹۔ علامہ الشیخ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی صاحب الجامع لاحکام القرآن
۳۰۔ علامہ الشیخ یحییٰ بن شرف الدین دمشقی صاحب شرح المہذب
۳۱۔ علامہ قاضی بیضاوی صاحب تفسیر معروف
۳۲۔ حافظ محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری صاحب ذخائر العقبیٰ
۳۳۔ علامہ نسفی صاحب تفسیر مدارک
۳۴۔ علامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری التبریزی صاحب مشکوٰۃ المصابیح
۳۵۔ علامہ جلیل ابوالفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی صاحب تفسیر معروف
۳۶۔ حافظ نورالدین علی بن ابوبکر الہیثمی صاحب مجمع الزوائد
۳۷۔ الشیخ الامام علی بن محمد المعروف بابن الصباغ المالکی صاحب الفصول المہمہ
۳۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی العسقلانی المعروف بابن حجر صاحب اصابہ
۳۹۔ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی صاحب تلخیص المستدرک
۴۰۔ علامہ الشیخ حمید بن احمد المحلی الیمانی صاحب الحدائق الوردیہ
۴۱۔ علامہ نظام الدین الحسن الاعرج القمی صاحب تفسیر نیشاپوری
۴۲۔ محدث جلیل السید عطاء اللہ الحسینی صاحب روضۃ الاحباب
۴۳۔ علامہ جلال الدین السیوطی صاحب در منثور
۴۴۔ علامہ مورخ غیاث الدین بن ہمام الدین صاحب حبیب السیر

۴۵۔ الشیخ احمد بن حجر المکی صاحب صواعق محرقہ
۴۶۔ علامہ میر محمد صالح کشفی صاحب مناقب مرتضوی
۴۷۔ محدث جلیل علاء الدین بن عبد الملک حسام الدین المعروف بالمتقی الہندی صاحب منتخب کنز العمال
۴۸۔ علامہ محمد الشربینی الخطیب صاحب تفسیر سراج منیر
۴۹۔ علامہ الشیخ محمد الشافعی الیمانی صاحب منظومہ
۵۰۔ علامہ ملا علی القاری صاحب شرح الفقہ الاکبر
۵۱۔ صاحب ارجح المطالب
۵۲۔ علامہ برہان الدین الشافعی صاحب السیرۃ الجلیۃ
۵۳۔ محدث زرقانی صاحب کتاب معروف
۵۴۔ علامہ عبد اللہ بن محمد بن عامر
۵۵۔ علامہ شیخ محمد صبان مصری صاحب اسعاف الراغبین
۵۶۔ علامہ قاضی الحسین بن احمد بن الحسین الیمانی صاحب الروض النضیر
۵۷۔ علامہ الشیخ محمد بن علی الشوکانی فتح القدیر
۵۸۔ شہاب الدین محمود الآلوسی صاحب روح المعانی
۵۹۔ علامہ شبلنجی صاحب نور الابصار
۶۰۔ علامہ صدیق حسن خاں بھوپالی صاحب تشریف البشر
۶۱۔ الشیخ یوسف بن اسماعیل بنہانی صاحب الشرف المؤبد
۶۲۔ علامہ ابوبکر بن شہاب الدین الشافعی صاحب رشفۃ الصادی
۶۳۔ علامہ السید العلوی الحداد الصادق الحضرمی الشافعی صاحب القول الفصل

پردہ اور سیرتِ معصومینؑ

سیرت خود ایک ساکت وصامت حقیقت ہوتی ہے اس لیے اس سے استدلال قائم کرنے سے پہلے اس کی نوعیت پر نظر کرنا ضروری ہوتا ہے کہ نوعیت کو دریافت کیے بغیر سیرت سے استدلال ایک بے معنی امر ہوگا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجیے کہ آپ نے کسی معصوم کو دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ظاہر ہے کہ اس نماز سے اتنا تو ضرور اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس وقت میں دو رکعت نماز قائم کرنا جائز ہے لیکن یہ فیصلہ ناممکن ہوتا ہے کہ یہ نماز سنت ہے یا واجب۔ واجب ہے تو صرف معصوم کے لیے واجب ہے یا دوسرے افراد کے لیے بھی واجب ہے۔ اس نماز کی نوعیت دریافت کرنے کے لیے مذہب کے دوسرے قوانین پر نظر کرنا ہوگی۔ مثلاً یہ دیکھا جائے گا کہ اسلام میں واجب نمازوں کی تعداد معین ہوچکی ہے اور معصوم کے خصوصیات کی بھی تحدید کی جاچکی ہے اس لیے یہ نماز واجب نہیں ہوسکتی ہے اور نہ اس کا شمار خصوصیات معصومینؑ میں ہوسکتا ہے اس لیے اس نماز کا مستحب ہونا امر یقینی ہے۔ یہی حال جملہ سیرتوں کا ہے کہ جب تک ان کی نوعیت نہ معلوم ہوجائے اس وقت تک ان کے بارے میں فیصلہ کرنا غیر ممکن ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پردے کے بارے میں بھی اسلام کا موقف دریافت کیا جائے تاکہ اس کی روشنی میں سیرت کا تجزیہ کیا جاسکے۔ قرآن وسنت کے اکثر بیانات سے اس موقف کی وضاحت کرنے کے لیے اس وقت معصومۂ عالم جناب فاطمہ زہراؑ کا یہ فقرہ پیش نظر ہے جو آپ نے سرور کائنات کے سوال پر ارشاد فرمایا تھا۔ آپؐ کا سوال یہ تھا کہ عورت کے لیے سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ اور معصومۂ عالمؑ کا جواب یہ تھا کہ عورت کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ نہ اس پر کسی مرد کی نگاہ پڑے اور نہ وہ کسی مرد کو دیکھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ یک طرفہ ستر کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں طرفین کی حیا وغیرت کو دخل ہے۔ پردہ صرف گھر میں بیٹھنے کا نام نہیں ہے بلکہ گھر سے نکلنے کے بعد بھی مردوں کی نظر سے بچنے کا نام ہے اور گھر میں رہ کر بھی نامحرم کی نگاہ سے

اپنے کو بچائے رکھنے کا نام ہے۔ عورت کو قانونی اعتبار سے گھر کے اندر رہ کر امور خانہ کی نگرانی کرنا چاہیے۔ اور اگر کبھی بربنائے ضرورت نکل بھی آئے تو اپنے کو مردوں کی نظر سے بچائے رکھنا چاہیے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرد کو عورت پر حکومت کا درجہ اسی معنی میں دیا ہے کہ وہ عورت کو گھر سے باہر نہ جانے دے۔ بیرون خانہ کی مصلحتوں کو عورت کی نسبت سے مرد زیادہ بہتر جانتا ہے۔ اور اگر ان حالات کے جانتے ہوئے بھی باہر جانے کی اجازت دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی شرم و حیا رخصت ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ جس کی شرم و حیا رخصت ہو جائے اس کا دین و مذہب کہاں رہ جاتا ہے۔

معصومہ عالمؑ کے اسی ارشاد گرامی کی روشنی میں آپ کی اس سیرت کو دیکھا جا سکتا ہے کہ آپ کے دروازے پر سرور کائنات اپنے محترم صحابی کو لے کر آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی تو معصومہ عالمؑ نے اجازت دے دی۔ لیکن آپ نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے عرض کیا کہ گھر آپ کا گھر ہے اجازت کی کیا ضرورت ہے ؟۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ میرا ایک صحابی بھی ہے۔ جناب سیدہؑ نے عرض کی کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ میرے پاس ایک چادر ہے جس سے یا سر کو چھپا سکتی ہوں یا پیروں کو۔ ایسی حالت میں کسی صحابی کو گھر کے اندر آنے کی اجازت کیسے دے سکتی ہوں ــــ؟ واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ معصومہ عالمؑ صحابی کو گھر کے اندر آنے سے نہیں روکنا چاہتیں بلکہ پردے کے حدود پر روشنی ڈالنا چاہتی ہیں۔ یعنی اگر میرے پاس چادر ہوتی تو ضرور اجازت دے دیتی اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت نے اپنی عبا عنایت فرما دی تو جناب سیدہ نے بخوشی صحابی کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔

معصومہؑ کے گذشتہ ارشاد سے بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ عورت یا مرد کے دیکھنے کا مطلب اس کے چہرے اور صورت کا دیکھنا ہے۔ لیکن آپ کی سیرت نے اس کی مزید وضاحت اس طرح کر دی کہ اس کے حدود میں قد و قامت بھی آجاتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے کہ آپ نے اسماء سے یہ شکوہ کیا کہ مدینہ میں جنازہ اٹھانے کا طریقہ ناقص ہے اس سے مُردے کا قد و قامت نمایاں ہو جاتا ہے اور جب اسماء نے حبش کے طریقہ سے تابوت بنا کر دکھایا تو آپ کے لب ہائے مبارک پر مسکراہٹ آگئی۔ (بعض روایات میں یہ طریقہ معصومہؑ کے خواب کا نتیجہ بتایا گیا ہے)۔ ظاہر ہے کہ آپ کا اضطراب مرنے کے بعد کے لیے تھا جب انسان سے ہر حکم اور فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ اضطراب بتاتا ہے کہ آپ مرنے کے بعد بھی اپنے قد و قامت کو نمایاں نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں اور جو مرنے کے بعد اس بات کو پسند نہ کرتا ہو وہ زندگی میں کیسے پسند کر سکتا ہے۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ جب رسول اکرمؐ آپ کو مباہلہ میں لے کر چلے تو آگے خود رہے اور پیچھے حضرت علیؑ کو کر دیا تاکہ فاطمہؑ کا قد نمایاں نہ ہونے پائے اور فاطمہؑ کے نقش قدم پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کی یہی بلندیٔ نفس تھی جس کی عظمت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ ابن مکتوم نابینا صحابی کو لے کر اپنے گھر میں تشریف لائے اور عائشہ و حفصہ سے کہا کہ حجرے میں چلی جاؤ تو دونوں نے کہا کہ یہ تو نابینا صحابی ہے، اس سے پردہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے کہ وہ نابینا ہے لیکن تم تو نابینا نہیں ہو ــــ اسلام جہاں اس کا نظر کرنا پسند نہیں کرتا ہے وہیں تمہارا بھی نظر کرنا پسند نہیں کرتا ہے۔

مذکورۂ بالا واقعات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت کی اصلی منزل حدود خانہ ہے اور اس کا اصل منصب امور خانہ کی نگرانی ہے ــــ اس کے رُخ و رخسار کو نگاہ مردم سے بچانے میں خیر ہے اور اس کے قد و قامت کو اجنبی نظروں سے بچائے رکھنے میں عافیت ہے۔ یہی کردار معاشرہ کی اصلاح کا ضامن ہے اور یہی اصول حیات سماج کی فلاح و بہبود کا ذمہ دار ہے۔ اگرچہ اس کے حدود واجبات سے زیادہ ہیں اور واجبات میں ان میں سے بہت سی چیزیں شامل نہیں ہیں۔ لیکن خیر بہر حال خیر ہے اور حتی الامکان اس کا لحاظ ضروری ہے۔ بلا ضرورت خیر کو ترک کر دینا بعض اوقات شر کا باعث ہو جاتا ہے۔

خداوند عالم امت توحید و رسالت اور پیروان مسلک ولایت کو اس خیر کے حاصل کرنے کی توفیق کرامت فرمائے اور ہمارے معاشرہ کو ہر شر و آفت سے محفوظ رکھے۔
